وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ہ

اور (وہ) لوگ جو ہم سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انکو ضرور اپنے رستوں کی طرف آنے

کی توفیق بخشیں گے اور یقیناً اللہ محسنوں کیساتھ ہے

(العنکبوت)

جذبۃ الحق

ایک ہزار دو سو پچاس میل طویل تبلیغی سفر کی دلچسپ داستان

مصنفہ

حضرت مولانا سید عبد الواحد رحمۃ اللہ علیہ

شاگرد رشید

حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محل رحمۃ اللہ علیہ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اکابر حضرات صوفیہ کا قول ہے جَذْبَةٌ مِّنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِ الثَّقَلَيْنِ
یعنی ایک کشش کششوں سے حق تعالیٰ کے بہتر ہے عمل سے جن اور انس کے۔
پس بناء علیہ نام اس رسالہ کا

جَذْبَةُ الْحَقّ

رکھا گیا۔ اس میں مؤلف علامہ حضرت مولانا سید محمد عبدالواحد صاحب امیر جماعت احمدیہ برہمن بڑیہ نے اپنے احمدی ہونے کی روئداد نہایت مختصر طور پر قلمبند فرمائی ہے۔

جسے دوسری بار حکیم عبداللطیف شاہد نمبر ۱۴ مین بازار گوالمنڈی لاہور نے دسمبر ۱۹۶۶ء میں طالبان حق کے لئے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُ اللّٰہَ الْعَظِیْمِ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وجہ تالیف

چونکہ اکثر حضرات بہت دنوں سے خاکسار سے اپنے احمدی ہونے کی روئداد قلمبند کرنے کے لئے اشتیاق ظاہر کرتے تھے لیکن خاکسار موانع چند درچند کی وجہ سے اس کی تکمیل نہ کر سکتا تھا۔ اب چونکہ زندگی کا خاتمہ نظر آتا ہے معلوم نہیں کہ کب پیغام اجل آجاوے۔ لہٰذا ناچار نہایت محنت و کوشش سے باوجود لحوق کمال ضعف و نقاہت کے قلمبند کرتا ہوں تاکہ یادگار رہ جاوے اور طالبان حق کے لئے راہبر ہو۔ اول اول تو یہ ارادہ تھا کہ کسی قدر بسط کے ساتھ لکھوں۔ لیکن اس وقت بوجہ لحوق امراض گوناگوں و کمال ضعف و نقاہت نہایت مختصر لکھتا ہوں کہ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ مثل مشہور ہے ومن اللّٰہ التوفیق۔

جاننا چاہئے کہ سابق میں خاکسار اپنے والد ماجد مرحوم و مغفور سے جو حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکہ معظمہ قدس سرہ کے شاگرد تھے بیعت کر کے طریقہ محمدیہ میں جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کا طریقہ ہے منسلک تھا۔ اور حضرت سید احمد قدس سرہ تیرھویں صدی ہجری کے مجدد امت محمدیہ علی نبیہا الصلوٰۃ والتحیہ مانے جاتے تھے۔ لیکن جب تیرھویں صدی آخر ہونے لگی اور چودھویں صدی آنے لگی۔ تب خاکسار کو چودھویں صدی کے مجدد جدید کا خیال دامن گیر ہوا۔ کہ عنقریب کوئی دوسرا مجدد ظاہر ہوگا۔ اور اس بارے میں کچھ تجسس و تفحص بھی عمل میں لایا۔ کیونکہ ہر ایک صدی کے

سرے پر مجدد جدید کا ظاہر ہونا ایک ضروری بات ہے بمفوائے حدیث مشہور
اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا
دِيْنَهَا (مشکوٰۃ) یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا واسطے اس امت
کے اوپر سر ہر سو برس کے۔ اس شخص کو کہ تجدید کرے واسطے اس کے دین
اس کا۔ جیسا کہ گذشتہ صدیوں میں ہوتے آئے ہیں۔

اور علمائے محققین اپنی اپنی تالیفات میں مفصل لکھتے آئے ہیں كَمَا لَا
يَخْفٰى عَلٰى اَهْلِ الْعِلْمِ وَالدِّرَايَةِ۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اوپر اہل علم
اور دریافت کے۔ پس ہر قوم اپنے اپنے مقتداء و معتقد یہ کی نسبت مجدد ہونے کا
گمان کرنے لگے۔ چنانچہ غیر مقلدین جو اپنے کو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ نواب
صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی نسبت یہ گمان کرتے تھے اور بعض بعض
مقلدین یعنی حنفی المذہب استادنا حضرت مولینا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور
لکھنوی کی نسبت بھی یہی گمان کرتے تھے چنانچہ مؤلف حدائق الحنفیہ نے مولانا
ممدوح کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔

غرضیکہ کثرت تصنیفات اور تنشیر علوم دین کے سبب ہندوستان کے
حنفیوں میں اس زمانہ میں اس جامعیت و لیاقت کا اور کوئی عالم و فاضل دکھائی
نہیں دیتا جس سے ان کو اگر چودھویں صدی کا مجدد امت محمدیہ قرار دیا جاوے
تو کوئی مبالغہ نہیں ہے اور بعض سوات و بنیر کے اخوند صاحب کی نسبت یہ گمان
کرتے تھے اور بعض دیگر اشخاص کی نسبت۔ لیکن چونکہ کسی کو بھی متحقق طور پر
یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کوئی بات متقرر نہ تھی۔
جس کے جی میں جو کچھ آتا تھا کہتا تھا اسی طرح پر چونکہ امام مہدی آخر زمان کے
ظاہر ہونے کا بھی غالب مظنہ یہی چودھویں صدی کا آغاز تھا اور وہ وقت بھی

سرپر آچکا تھا اور اکثر علمائے محققین کا خیال بھی اسی طرف جھکا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور لکھنوی اپنی تالیف لطائف مستحسنہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اِقْتَرَبَ ظُهُوْرِ الْاِمَامِ الْمَهْدِی اِمَامِ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَمَا اَدْرٰہ لَکُمْ لَعَلَّهٗ یَظْهَرُ فِیْ هٰذِهِ الْمِائَۃِ۔

اور نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی تو اپنی تالیفات مثل حدیث الغاشیہ اور حجج الکرامہ وغیرہا میں بہت ہی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اپنا یہ گمان ظاہر کرتے ہیں پس اس تقریب سے بہت چھوٹے اور نا قابل لوگ بھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں زمانے کی دست بردسے نیست و نابود ہو گئے۔ اور اسی سے لوگوں کی طبیعت میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جھوٹا ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں افواہی طور پر سننے میں آیا کہ پنجاب کے علاقہ گورداسپور میں ایک شخص نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن مجھے اس کی طرف چنداں توجہ دو وجہ سے نہ ہوئی۔ اول وجہ یہ کہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ چونکہ وہ خبر مجھ کو منکرین و مخالفین کے ذریعہ محض بری طرح سے پہنچی تھی۔ اس لئے اس خبر کی تحقیق کی طرف خاکسار کی توجہ مبذول نہ ہوئی۔ اسی زمانہ میں اتفاقاً منشی محمد دولت خاں صاحب وکیل مرحوم کے لئے ایک ڈبیہ مفرح عنبری کا منگانا پڑا۔ پس میں نے ایک پوسٹ کارڈ وکیل صاحب کی طرف سے لاہور جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی کے پاس لکھ دیا۔ حکیم صاحب نے مفرح عنبری کی تو ایک ڈبیہ بھیجی۔ لیکن اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا رسالہ بھی جس کا نام تفسیر سورہ

جمعہ تھا۔ وکیل صاحب کے نام مفت بھیج دیا۔ وہ رسالہ حضرت خلیفہ اول جناب مولانا نورالدین صاحب ؓ مرحوم و مغفور کا لکھا ہوا تھا۔ وکیل صاحب اس رسالے کو پڑھ کر چونکہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے اس وجہ سے میرے پاس لے آئے اور کہنے لگے ذرا اسے دیکھئے تو سہی شاید وہاں (لاہور میں) کوئی نیا فرقہ نکلا ہے۔ ہم اس رسالے کو حکیم صاحب کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ ہم کو اس بکھیڑے سے کچھ کام نہیں ہے۔ میں نے کہا واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم اس کی حقیقت دریافت کریں گے۔ اور رد لکھیں گے۔ پس وکیل صاحب وہ رسالہ مجھ کو دے کر چلے گئے میں نے اول سے آخر تک اسے پڑھا۔ لیکن وہ رسالہ چونکہ طرز جدید پر لکھا گیا تھا۔ اس لئے کچھ بھی لطف نہ آیا۔ بلکہ بالکل فضول سا معلوم ہوا۔ کیونکہ جس طریق پر وہ لکھا گیا تھا ہم اس سے مانوس نہ تھے۔ اسی میں یکایک میری نظر اس رسالے کے ٹائٹل پیج پر پڑی جہاں لکھا ہوا تھا کہ اس رسالے کے مصنف کی علمیت کے قائل صرف ہندوستان ہی کے علماء نہیں ہیں بلکہ عرب و مصر شام وغیرہم کے علماء بھی ہیں۔ اس نوٹ کو پڑھ کر میرا یہ خیال کہ عوام الناس جاہلوں کا کوئی فرقہ ہو گا ٹوٹ گیا۔ اور حقیقت دریافت کرنے کی طرف مجھے بڑی توجہ ہو گئی۔ آخر ش میں نے وکیل صاحب کی طرف سے حکیم صاحب کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا۔ اس کا مضمون تھا کہ جن امام کے آپ معتقد ہوئے ہیں۔ ان کے کچھ حالات لکھیں۔ اور ان کی لکھی ہوئی کچھ کتابیں بھی ارسال فرماویں۔ تا کہ ہم لوگ بھی ان کے فیض سے مستفیض ہو سکیں اسی اثناء میں اتفاقاً خود وکیل صاحب بھی آ گئے اور یہ دیکھ کر کہ میں نے ان کی طرف سے حکیم صاحب کو ایک پوسٹ کارڈ لکھا۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ حکیم صاحب کتابوں کا کوئی وی پی بھیج دیں۔ یہ بھی لکھ دینا چاہئے کہ جو کچھ

بھیجیں ہدیۃً بھیجیں کیونکہ بغیر کچھ حقیقت دریافت کئے ہم روپیہ پیسہ خرچ نہیں کر سکتے۔

پس میں نے بھی وکیل صاحب کے کہنے سے ویسا ہی لکھ دیا۔ حکیم صاحب نے بڑے شدومد سے اس خط کا جواب وکیل صاحب کو یہ لکھا کہ جب آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی کام بغیر پیسے کے نہیں چلتا تو کیا دین اور خدا طلبی کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آپ کے پاس پیسے نہیں ہاں ہو سکتا ہے کہ دس بیس روپیہ کی کتابیں خرید کر ہم آپ کو بھیج دیں لیکن جبکہ ہم نزدیک والے اور غریبوں کے لئے اس قدر خرچ نہیں کر سکتے۔ تو آپ کے لئے جو اس قدر دور کے رہنے والے ہیں اور مرفہ الحال بھی ہیں روپے خرچ کرنا مناسب خیال نہیں کرتے۔ میں آپ کے لئے بھیجوں تو بھیجوں کیا کتابیں تو یہاں بہت ہیں۔ اور اخیر میں لکھا کہ آپ مہربانی فرما کر فی الحال صرف پانچ روپیہ میرے پاس بھیج دیں۔ تو میں کچھ کتابیں مناسب حال آپ کے انتخاب کر کے بھیج دوں گا۔ حکیم صاحب ممدوح نے حضرت صاحب کے کچھ حالات بھی مختصر طور پر لکھ کر بھیجا تھا جس میں آتھم اور لیکھرام کے واقعات بھی کچھ تحریر تھے۔ اور ریویو آف ریلیجنز اردو کے چند رسالے بھی مفت روانہ کئے۔ وکیل صاحب نے ان رسالوں کو لا کر میرے پاس ڈال دیا۔ پس وہ رسالے میرے پاس پڑے رہے اور کبھی کبھی میں ان میں سے کسی نہ کسی کو اٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ اور دل میں کہتا تھا کہ اگر اس مدعی امام کی اپنی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب یا تحریر ہاتھ آتی تو حقیقت حال معلوم ہو جاتی۔ ان رسالوں کو الٹ پلٹ کرتے کرتے یکایک ایک دن حضرت صاحب کی ایک تحریر خاکسار کی نظر سے گذری۔ میں نہایت توجہ کے ساتھ اس کو پڑھنے لگا طرز تحریر سے ایک شان و عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ پڑھتے پڑھتے اچانک ایک

چکاچوند سا آنکھوں میں معلوم ہوا۔ پس آنکھوں کو مل کر پھر پڑھنے لگا۔ اور پھر ایسا ہی معلوم ہوا اور پھر آنکھوں کو مل کر پڑھنے لگا۔ اور پھر وہی حالت ہوئی۔ تب میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ تب عبارتوں کے اندر ایک روشنی سی معلوم ہوئی۔ میں نے دل میں کہا کہ اہل باطل کی تو بہت سی تحریریں میں نے دیکھی ہیں۔ لیکن یہ کیفیت کسی میں نہیں پائی اہل باطل کے کلمات ظلمت سے پر ہوتے ہیں۔ یہ روشنی کیسی۔ پھر حضرت صاحب کی کتابیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور ایک مرتبہ دل میں آیا کہ حکیم صاحب نے جو پانچ روپیہ وکیل صاحب کے پاس سے طلب کیا تھا وہی پانچ روپیہ خفیہ میں حکیم صاحب کے پاس اپنے نام سے بھیج دوں تاکہ حکیم صاحب کچھ کتابیں میرے نام پر روانہ کر دیں۔ لیکن اس اثناء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایک ٹائٹل پیج پر حضرت صاحب کی تصنیف کردہ کتابوں کی ایک فہرست دیکھنے میں آئی۔ اس لئے حکیم صاحب کی وساطت کی ضرورت نہ رہی بلکہ میں نے براہ راست خود ہی قادیان سے تھوڑی کتابیں مثلاً ازالہ اوہام ہر دو حصہ۔ تحفہ گولڑویہ۔ نشان آسمانی لیکچر لاہور اور لیکچر سیالکوٹ وغیرہ وغیرہ بذریعہ وی۔ پی منگالیں۔ اور بہت ہی توجہ کے ساتھ ان کتابوں کو پڑھنے لگا۔ اور جہاں جہاں اپنی دانست کے خلاف کچھ پاتا تھا حاشیہ پر نشان کرتا جاتا تھا۔ تاکہ نظر ثانی میں اس کی اچھی طرح تحقیق کرسکوں۔ اور کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ کہ وہی کتاب پڑھتے پڑھتے شبہ دور ہو جاتا تھا۔

ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد اور بھی کتابیں بدفعات منگایا اور پڑھتا گیا۔ آخر اور جوں جوں کتابیں پڑھتا تھا۔ شوق بڑھتا جاتا تھا اور صداقت کی روشنی دل میں پیدا ہوتی جاتی تھی۔ اول اول جب کتابیں پڑھتا اور کوئی بات دل میں کھٹکتی

تو تردید لکھنا شروع کر دیتا۔ لیکن جب اپنی تحریر پر نظر ثانی کرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کچھ بھی نہ ہوئی اور پھاڑ ڈالتا تھا۔ اسی طرح کاغذ کے بہت سے اوراق ضائع ہوئے۔ اور بالآخر میں تھک کر رہ گیا اور تردید لکھنے کا خیال دور کر دیا۔ پھر حضرت صاحب کی تائید میں کچھ زور طبیعت صرف کرنے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں غیر معمولی قوت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں حضرت صاحب سے بلاواسطہ خط و کتابت کرنے لگا۔ اور اپنے شبہات کے جوابات خود حضرت صاحب سے طلب کرنے لگا۔ چنانچہ میرے بعض سوالات کے جوابات حضرت صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم میں چھپے ہوئے موجود ہیں جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

اس عرصہ میں مجھ پر کئی امور کھلے

(۱) ایک یہ کہ اس جماعت میں بڑے بڑے علماء بھی ہیں جیسا کہ سابق اس کا کچھ ذکر بھی کیا گیا ہے۔

(۲) یہ کہ مدعی مہدویت خود بھی ایک بڑا عالم شخص ہے کہ اس کے سامنے دوسرا کوئی عالم کوئی چیز ہی نہیں۔

(۳) تیسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس مدعی مہدویت نے یہ علم کسی نامی گرامی عالم سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ اوائل عمر میں گھر میں کچھ معمولی سی تعلیم اس کی ہوئی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

(۴) چوتھا امر یہ کہ پنجاب و ہندوستان کے اکثر علماء اس کے اس قدر مخالف ہیں کہ جان تک لینے کو تیار ہیں۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ مخالف علماء کے خیالات کو بھی دیکھنا چاہئے۔ تاکہ معلوم ہو کہ منصفانہ احقاق حق و ابطال باطل کرتے ہیں۔ یا متعصبانہ کلام کرتے ہیں۔ پس جب سنتا کہ کسی عالم معتبر نے کوئی کتاب

رسالہ لکھ کر حضرت صاحب کی تردید میں شائع کیا ہے فوراً اس کو منگاتا اور بڑے غور سے اس کو پڑھتا۔ اور حضرت صاحب کی تحریر کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھتا تھا۔ مخالف علماء کے بعض رسالوں کو بڑی جستجو سے گراں قیمت دے کر منگاتا اور بہت ہی بڑی توجہ کے ساتھ غور سے پڑھ کر کیفیت حال دیکھتا تھا۔ بالآخر منکشف ہو گیا کہ مخالف علماء کو احقاق حق و تحقیق مطلب منظور نہیں۔ بلکہ عوام الناس کو خوش کرنے کے لئے پرانی باتوں کی تائید حتی الامکان مدنظر رکھتے ہیں اور دلائل حقہ قویہ سے مدعی مہدویت کی باتوں کو نہیں پرکھتے اور خشیت اللہ سے بھی کچھ حظ نہیں رکھتے۔ بلکہ دنیا طلبی اور دنیوی عزت و آبرو کی محبت ان پر غالب ہے جیسا کہ گذشتہ زمانے میں تمام نبیوں کے ساتھ معاملہ ہوتا آیا ہے۔ كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى اَهْلِ الْخِبْرَةِ۔

الختصر وہ ساری کارگذاریاں جو اوپر لکھی گئیں۔ خفیہ خفیہ ہوتی رہیں اور لوگوں پر ظاہر نہیں کی جاتی تھیں حتی کہ وکیل دولت خان صاحب پر بھی اس کا اظہار نہ کیا جاتا تھا ہاں کبھی کبھی بعض مخلص تلامذہ پر میں خفیہ طور سے کچھ ظاہر کر دیتا تھا اور کبھی حضرت صاحب کی کوئی کتاب پڑھ کر ان کو سمجھا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ وکیل صاحب کو میری اس کارروائی کی کچھ کچھ کیفیت معلوم ہو گئی۔ اور جب حضرت صاحب کی بعض کتابیں مجھ سے لے جا کر پڑھنے لگتے تب میں بھی ان کو کبھی کبھی کچھ سمجھانے لگا۔ پس انہوں نے بھی سلسلہ حقہ کا کچھ مزہ پایا۔ اور شوق سے سلسلہ کی کتابیں پڑھنے لگے۔ پھر سلسلہ حقہ کے معتقد بن گئے۔ اور خوب معتقد بنے یہاں تک کہ بعض لوگوں کو تبلیغ کرنے لگے۔

قبل میرے احمدی ہونے کے ہی ہنگامہ سازی وجلسہ پردازی ہونے لگی

اگرچہ برہمن بڑیہ میں ہمارے یہاں خفیہ طور پر احمدیت کا چرچا ہوتا تھا پھر بھی بمقوائے آنکہ "مشک و عشق را نتواں نہفتن" اطراف و جوانب میں اس کی شہرت کسی قدر ہو گئی تھی۔ اور اس راہ سے لوگ میری کچھ نہ کچھ شکایت بھی کرنے لگے تھے۔ اس وجہ سے ایسے ایسے مولوی لوگ جو میرے سامنے آکر کچھ کہنے کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے غائبانہ برا کہنے لگے اور عوام کے سامنے اس راہ سے کچھ ہنسی و تمسخر بھی کرنے لگے یہ حال سنکر وکیل صاحب کو کچھ غصہ سا آگیا تو انہوں نے ایک جلسہ قرار دے کر اور تاریخ مقرر کر کے ایک اشتہار اس مضمون کا چھپوا دیا۔ کہ جو مولوی صاحبان سلسلہ احمدیہ کے خلاف دلائل محکم رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ اپنے دلائل لے کر جلسہ مذکورہ میں حاضر ہوں انہیں پیش کریں۔ الغرض اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی اطراف و جوانب میں ایک دھوم مچ گئی اور ایک طوفان برپا ہو گیا۔ لوگ مولویوں کو کہنے لگے کہ آپ لوگوں کی جو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے بڑی بڑی باتیں کیا کرتے ہیں اس جلسہ میں جانے پر کیفیت حال معلوم ہو گی۔ آپ لوگوں کو اس جلسہ میں ضرور جانا چاہئے۔ مخالف مولویوں میں میرا ایک سخت دشمن مولوی سعد اللہ نامی تھا اس نے اپنے بھتیجے کو جس کا نام مولوی شمس الہدیٰ تھا اور اس وقت وہ کلکتہ ہائیکورٹ میں وکیل تھا بہت زور کے ساتھ لکھا کہ اس نے (یعنی خاکسار نے) یہاں ایک جلسہ مباحثہ قرار دیا ہے اگر اس میں نہ جاؤں تو عوام میں میری خفت

ہو گی اور اگر جاؤں تو اس سے (یعنی خاکسار سے) مقابلہ مشکل ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے ایک یا دو ایسے زبردست فاضل مولوی بلا دیں جو اس کو (یعنی خاکسار کو) اچھی طرح شکست دے سکیں۔ پس مولوی شمس الہدیٰ نے اپنے چچا کی خاطر اس میں بڑی کوشش کی اور جستجو کے بعد دو (۲) مولویوں کو بلایا۔ ان میں سے ایک تو مولوی عبد الوہاب بہاری حنفی تھا۔ اور دوسرا مولوی عبد اللہ چھپروی جو گروہ اہل حدیث سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ دونوں سلسلہ حقہ کے سخت دشمن تھے۔

الغرض روز مقررہ پر دونوں مولوی صاحبان صبح کے وقت بذریعہ سٹیمر برہمن بڑیہ میں وارد ہوئے۔ اور مولوی ولی اللہ سب رجسٹرار کے پاس جو مولوی شمس الہدیٰ کے دوسرے چچا تھے۔ فروکش ہوئے۔ اور وہیں ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام ہوا۔ جلسہ کے اشتہار میں وقت مباحثہ آٹھ بجے دن قرار دیا گیا تھا اور ہم لوگ اسی کے مطابق جلسہ گاہ میں جو بمقام عید گاہ تھی جا پہنچے۔ لیکن مخالف مولوی صاحبان تقریباً ایک بجے وہاں گئے اور ان لوگوں کے جانے کے بعد اس بات پر گفتگو شروع ہوئی کہ بحث کس کس مسئلہ میں ہوگی۔ اور کس ترتیب سے ہو گی۔ جلسہ کے لوگ دو فریق ہو گئے ہماری طرف کے لوگ تو یہی کہتے رہے کہ اشتہار میں جو ترتیب لکھی ہوئی ہے اسی طرح ہو۔ اور مخالف فریق کے لوگ کہتے تھے کہ اشتہار میں لکھی ہوئی ترتیب سے کیا غرض۔ مولانا صاحبان اس وقت جو ترتیب مقرر کریں اسی طرح ہو۔ اس نزاع نے بہت طول کھینچا اور کوئی فریق دوسرے فریق کی بات کو نہیں مانتا تھا۔ آخرش اس گفتگو ہی میں دن کے تین بجے کے قریب ہو گئے اور صورت حال ایسی ہو رہی تھی کہ بحث بالکل نہ ہو۔ اس وقت مولوی عبد الوہاب بہاری کھڑے ہو کر نہایت افسوس کے ساتھ

کہنے لگے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مشقت سفر اٹھا کر تو ہم یہاں پہنچ گئے لیکن ایک بات بھی کہنے کا موقعہ نہیں مل رہا۔ اور یہ محنت بالکل اکارت جا رہی ہے بہتر تو یہی تھا کہ جس اشتہار کے سبب آپ صاحبان یہاں آئے ہیں۔ اسی کے مطابق بحث شروع کریں۔ یہ سارے جھگڑے تو آپ ہی کی طرف سے ہو رہے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ ہماری طرف کے بعض لوگ بھی چاہتے ہیں کہ وہ مولوی صاحبان جو اس قدر دھوم دھام سے آئے ہیں۔ ذرا ان سے بھی سن لیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پس میں نے اجازت دے دی۔ مولوی عبدالوہاب نے اس کو غنیمت سمجھا اور کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ لیکن جس طرح غیر احمدی بازاری ملا کیا کرتے ہیں اسی طرح ادھر ادھر کی باتیں کہنے لگے اور محققانہ طور پر کوئی نکتہ باریک یا تحقیق غامض بیان نہیں کیا یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بٹھا کر اتارنے کے لئے سیڑھی تیار کرنے لگے اور اپنی تقریر کو بہت طول دے دیا یہ حالت دیکھ کر ہماری طرف کے ایک شخص نے میری طرف مخاطب ہو کر بآہستہ کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے شرارتاً یہ منصوبہ کیا ہے یہ سارا وقت مولوی عبدالوہاب لے لیویں اور آپ کچھ کہنے نہ پائیں۔ تاکہ بعد کو انہیں یہ کہنے کا موقع مل سکے۔ کہ کلکتہ سے آئے ہوئے مولویوں کے مقابل برہمن بڑیہ کے مولوی عبدالواحد صاحب زبان بھی نہ ہلا سکے۔ یہ سنکر میں جلد کھڑا ہو گیا اور بآواز بلند اہل جلسہ کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ کہ حضرات کیا آپ آج صرف اسی طرف کی سنیں گے یا مجھے بھی کچھ کہنے کا موقع دیں گے۔ یہ سنکر ہر طرف سے لوگوں نے مولوی عبدالوہاب کو کہنا شروع کیا کہ بس اب آپ اپنی تقریر ختم کریں اور برہمن بڑیہ کے مولانا صاحب کو کچھ کہنے دیں۔ پس

مجبوراً مولوی عبدالوہاب بہاری چپ ہو کر بیٹھ گئے۔ اور خاکسار نے کھڑے ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ تقریر شروع کر دی۔ پہلے یہ تمہید اٹھائی کہ جس وقت سے میں مغربی ہند کے سفر سے اس ملک میں واپس آیا ہوں کوئی مولوی میرے مقابل کھڑا نہیں ہوا تھا۔ ان دنوں سننے میں آیا تھا کہ مغربی ہند کے دو زبردست فاضل مولوی آئے ہیں یہ خبر سنکر میں بہت خوش تھا کہ ایک مدت کے بعد میں اپنے دل کے حوصلے نکالوں گا۔ اور فاضلانہ گفتگو ہو گی۔ اس وقت ایک شخص نے جو تقریر کی اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس شخص کو علم سے کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ اس سے بالکل بے بہرہ ہے۔ بازاری ملا منشی جس طرح تقریریں کیا کرتے ہیں اسی طرح اس شخص نے بھی کی۔ کوئی عالمانہ نکتہ یا کوئی علمی تحقیق بیان نہیں کی۔ جو آیات قرآنی یا حدیثیں اس شخص نے بیان کیں۔ ان کے معانی بالکل غلط بیان کئے۔ اب آپ حضرات خاموش بیٹھ کر تھوڑی دیر سنیں میں ایک ایک آیت اور حدیث تلاوت کر کے ان کے معنی سناتا ہوں۔ اس کے بعد سب سے پہلے میں نے مسئلہ وفات مسیح اسرائیلی پر کچھ بیان کرنا شروع کیا۔ اور حیات مسیح کی تردید کرتا گیا۔ میری تقریر کی روانی کو دیکھ کر مخالفین کے چھکے چھوٹ گئے اور بیٹھ کر سننے کی تاب نہ رہی یہ دیکھ کر ناچار اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مولویوں کو ساتھ لے کر جلسہ گاہ سے چلے جانے لگے۔

عام حاضرین میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جب ان کے مولوی صاحب نے وعظ بیان کیا تب تو ہمارے مولوی صاحب بیٹھ کر سنتے رہے۔ مگر جب ہمارے مولانا صاحب تقریر کرنے لگے تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مولویوں کو ساتھ لے کر چلے جاتے ہیں لہٰذا دوڑو اور انہیں ہرگز جانے نہ دو۔ اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ کئی ہزار آدمیوں نے ان کو معہ ان کے مولوی کے گھیر لیا۔ اور جانے

سے روکا۔ پس مجبور ہو کر وہ لوگ معہ اپنے مولویوں کے جلسہ گاہ میں واپس آگئے اور بیٹھ کر میری تقریر سننے لگے۔

یہ وقت نہایت ہی نازک تھا۔ اگر مخالفین کی طرف آدمی زیادہ ہوتے اور جلسہ گاہ سے بزور چلے جانا چاہتے تو اس وقت سخت مار پیٹ تک کی نوبت پہنچ جاتی۔ مگر چونکہ اس طرف آدمی بہت ہی کم تھے اس لئے وہ لوگ بزور چلے جانے کی جرأت نہ کرسکے اور ناچار واپس آکر بیٹھ گئے۔

الغرض جب عصر کی نماز کا وقت تنگ ہونے لگا تو اذان دے دی گئی اور میں نے تقریر ختم کی۔ لوگ جلسہ گاہ سے اٹھ کر ادھر ادھر جانے لگے اور ہمارے مخالفین جلسہ گاہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ہمارے احباب بھی نماز عصر وہیں پڑھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور اس دن کی کارروائی اس طرح ختم ہو گئی۔

دوسرے دن دیکھا گیا کہ مخالفین میں بڑی دوڑ دھوپ ہو رہی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک مفسد مخالف نے بازار میں جلسہ وعظ قرار دیا ہے۔ تاکہ اس میں مولوی صاحبان سلسلہ احمدیہ کی مذمت بیان کریں اور میری بھی توہین کی جائے۔ لیکن شان الٰہی کہ اس دن صبح کو جلسہ مذکورہ میں جانے سے پہلے بہاری مولوی صاحب نے میرے ایک شاگرد سے میرا مفصل حال دریافت کیا۔ جس قدر اسے معلوم تھا اس نے بیان کر دیا پھر بہاری مولوی صاحب نے اس سے یہ بھی دریافت کیا کہ تمہارے مولوی صاحب کی کوئی تصنیف چھپی ہوئی ہے یا نہیں۔ جس کے جواب میں اس شخص نے بتایا کہ مولانا صاحب کی متعدد تصانیف ہیں۔ اس پر مولوی مذکور نے میری کوئی کتاب دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اس نے رسالہ تفہیمات الانوار لے جاکر پیش کر دیا۔ اس کو دیکھ کر بہاری مولوی صاحب بالکل متغیر ہو گئے اور میری نسبت کہنے لگے

کہ آدمی تو بہت ہی قابل معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے قبل بعض رازداروں نے ان کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہاں کے لوگ بڑے مولوی صاحب کے ایسے معتقد ہیں کہ اگر ان کی نسبت کوئی نالائم لفظ آپ زبان پر لاویں گے تو یہاں سے عزت لے کر جانا مشکل ہو جائے گا جس کی تصدیق گذشتہ دن کے جلسہ کے حالات سے بھی ہو چکی تھی۔ پس اس وقت سے ہماری مولوی صاحب کو برہمن بڑیہ سے باعزت واپس جانے کی فکر پڑ گئی اور ہر طرح کے حیلے بہانے تلاش کرنے لگے۔

بہر کیف مولوی صاحبان بازار کے جلسہ میں گئے لیکن دل میں وہی خیال رہا۔ ایک مفسد مولوی نے کہیں سے ایک ایسا فتویٰ بہم پہنچایا کہ جس میں احمدیوں کی مذمت لکھی ہوئی تھی اور یہ کہ ارادہ کیا کہ تقریروں کے ختم ہو جانے پر ہماری مولوی صاحب اسے پڑھ کر لوگوں کو سنائیں بازار کا جلسہ تو ہوا اور مولویوں نے تقریریں کیں لیکن کوئی نالائم لفظ میرے خلاف زبان پر نہ لا سکے۔ بلکہ بعض اوقات تعریف کرتے رہے۔

جن مفسدوں نے میرے خلاف ان سے کچھ کہلانا یا فتویٰ کا اعلان کرانا چاہا تھا وہ ناکام رہے۔ مولویوں کی تقاریر نے ان کی ہمتیں پست کر دیں۔ جس مفسد مولوی نے اس بیہودہ فتویٰ کو عوام میں پیش کرنے کے لئے جیب سے نکالا تھا۔ پھر جیب کے اندر رکھ لیا۔ اور یہ بھی سنا گیا۔ کہ ہماری مولوی صاحب اس جلسہ سے یہی کہہ کر اٹھے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مولوی عبدالواحد صاحب کے مقابل کوئی دوسرا عالم اس علاقہ مشرقی بنگال میں موجود نہیں ہے۔ پس یہاں کے لوگوں سے جس طرح ہو سکے ان کو قادیانی ہونے سے باز رکھیں کیونکہ مبادا یہ مولوی صاحب قادیانی ہو گئے تو علاقہ کا علاقہ بالکل بے دین ہو جائے گا۔

الغرض مولوی صاحبان بازار کے جلسہ سے واپس آنے کے بعد سے اس فکر

میں پڑ گئے کہ کسی طرح خاکسار سے ملیں۔ مگر چونکہ اسی طرح چلے آنے میں لوگوں کے بدظن ہو جانے کا خوف تھا اس وجہ سے یہ تدبیر ہونے لگی کہ خاکسار کو کسی طرح مولوی ولی اللہ صاحب سب رجسٹرار کے مکان پر لے جائیں۔ اور اس غرض کے لئے دو شخص تیار ہوئے کہ جس طرح بھی ہو گا مجھے سب رجسٹرار صاحب مذکور کے مکان پر لے جائیں گے۔ ان دونوں میں سے ایک تو ہائی سکول برہمن بڑیہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ اور دوسرے صاحب برہمن بڑیہ کے ایک مسلمان تعلقہ دار تھے۔ یہ دونوں میری بڑی منت سماجت کرنے لگے اور بہت کچھ کہہ سن کر اس بات پر راضی کیا کہ میں وہاں چلا جاؤں کیونکہ اس سے پہلے بھی میں کبھی کبھی سب رجسٹرار صاحب کے مکان پر جایا کرتا تھا اور وہ مولوی صاحبان بھی جو کلکتہ سے آئے تھے مجھ سے ملنے کے لئے بہت مشتاق تھے۔ مولوی صاحبان خود ہی میرے پاس آتے۔ لیکن برہمن بڑیہ کی عوام کی چہ میگوئیوں کے خیال سے رکتے تھے۔

الغرض میں ان کے ساتھ مولوی ولی اللہ صاحب کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس سے پہلے کہ میں وہاں پہنچوں مولوی ولی اللہ صاحب خود چل کر اثنائے راہ میں مجھ سے آملے اور تعظیم کے ساتھ مجھے لے گئے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ جو مولوی صاحبان بیرونجات سے تشریف لائے تھے وہ بیٹھے ہیں اور ان میں مولوی حسن علی نامی ایک شریر شخص بھی جو بہاری مولوی عبدالوہاب کا شاگرد کہلاتا تھا بیٹھا ہے۔ اور ادھر ادھر موضع شہباز پور وغیرہ کے شریر النفس اشخاص جمع ہیں۔ میرے پہنچتے ہی مولوی عبدالوہاب بہاری بڑے تپاک سے اٹھ کر مجھ سے ملا۔ اور ایک کرسی جو پہلے سے وہاں رکھی ہوئی تھی۔ میری طرف بڑھا دی جس پر میں بیٹھ گیا اور مولوی عبدالوہاب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

مولوی صاحب آپ کو معلوم کہ یہاں آپ لوگوں کو کیوں بلایا گیا ہے۔ مولوی مذکور نے نفی میں اس کا جواب دیا۔ تب میں نے کہا کہ آپ کو اس واسطے بلایا گیا ہے کہ آپ میرا مقابلہ کریں۔ کیونکہ یہاں کے مولوی میرے مقابل میں نہ ٹھہر سکے۔ مگر آپ کو واضح رہے کہ کوہ ہمالہ کے اس طرف اس وقت کوئی ایسا مولوی نہیں ہے کہ جو آکر عبدالواحد کو شکست دے جائے۔ ہاں تبادلۂ خیالات کا سلسلہ مہینوں چل سکتا ہے۔ آج کل کے جتنے بڑے بڑے علماء ہند ہیں ان میں سے اکثر میرے ہم سبق رہ چکے ہیں۔ اور اساتذہ کے ہم عصر جتنے علماء تھے سب فوت ہو چکے ہیں اس وقت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو علماء موجود ہیں ان میں سے ہر ایک کے متعلق مجھے پوری واقفیت ہے کہ ان کا مبلغ علم کیا ہے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کے متعدد خطوط میرے پاس اس وقت بھی موجود ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ میرے متعلق کیسا خیال رکھتے تھے۔ میری یہ باتیں سنکر مولوی عبدالوہاب بہاری مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ مولانا عبدالحی صاحب سے میری کہاں کی ملاقات تھی اس پر میں نے انہیں بتایا کہ میں تو انہیں کا شاگرد ہوں۔ وسط ہند میں سوائے ان کے میں نے اور کسی سے نہیں پڑھا۔ یہ سنکر بہاری مولوی صاحب مزید تفتیش کرنے لگے اور کہنے لگے۔ مولانا عبدالحی صاحب کے درسگاہ بمقام لکھنؤ آپ کس وقت تشریف رکھتے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اسی زمانہ میں وہاں تھا۔ جب مولوی عین القضاۃ صاحب اور مولوی ابوالحسن صاحب مولانا مرحوم سے پڑھتے تھے۔ تب تو وہ میری طرف کسی قدر غور سے دیکھ کر کہنے لگے کہ میں نے بھی آپ کو وہاں دیکھا تھا۔ ان کے اس کہنے پر میں نے بھی جو بغور ان کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں نے بھی انہیں لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ پس ہم دونوں میں

تعارف ہو گیا۔ اور مولوی عبدالوہاب بہاری بڑے اخلاص کے ساتھ مجھ سے ملے۔ چونکہ تعلیم کے زمانہ میں وہ مجھ سے نیچے کی جماعت میں پڑھتے تھے اس وجہ سے وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر اپنا سبق یاد کرتے تھے۔ اس کا بھی انہیں خیال آگیا۔ ان وجوہ سے وہ میرے خیراندیشوں میں سے ہو گئے۔ اور جب یہ بات میرے دوستوں میں مشہور ہو گئی کہ کلکتہ سے جو دو مولوی آئے ہیں وہ میری شاگردی کا اقرار کرتے ہیں تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ غرضیکہ مولوی عبدالوہاب نے اپنے اس شریر شاگرد کو جو مولوی حسن علی کے نام سے مشہور تھا اور اکثر دیہاتوں میں میری مخالفت کیا کرتا تھا ترش روئی کے ساتھ مخاطب کیا اور کہا حسن علی تم مولوی عبدالواحد صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے ہو یا نہیں چونکہ مولوی حسن علی مذکور کبھی بھی میرے پاس نہ آیا تھا اور میری مخالفت کیا کرتا تھا اس وجہ سے وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور خاموش رہا۔ اس وقت میں نے بتایا کہ بھلا وہ میرے پاس کیوں آنے لگا۔ وہ تو آپ کی تعلیم کے اثر سے جاہلوں میں بیٹھ کر میری شکایت کیا کرتا ہے۔

یہ سن کر مولوی عبدالوہاب آگ بگولا ہو گئے اور حسن علی سے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ کہنے لگے۔ کہ کیا واقعی تم ایسا کرتے ہو۔ اگر سچ ہے تو اٹھ کر مولوی عبدالواحد صاحب سے معافی طلب کرو۔ یہ سنکر مولوی حسن علی تو ہکابکا ہو کر رہ گیا۔ اور ناچار دست بستہ ہو کر مجھ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اس کو بٹھا دیا۔ اور کہا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ تم کو مناسب نہ تھا کہ ہم سب سے ایسی بدسلوکی کرتے۔ اگر تم ہم سے حسن سلوک کا برتاؤ کرو گے تو تمہاری آنے والی نسلیں بھی تم سے نیک سلوک کریں گی۔ اور اگر ہم سے بدسلوکی کرو گے تو اپنی آئندہ نسل سے کبھی بھلائی کی

امید نہ رکھنا۔ تمہیں تو یہ چاہئے تھا کہ ہمارے پاس جو علمی دولت ہے وہ ہم سے حاصل کر کے رکھتے۔ کیونکہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہم نہ ہوں گے اور تم علم کے لئے ترسو گے۔ اور ہمیں یاد کرو گے۔

الغرض میں نے اسی قسم کی نصیحت آمیز باتوں پر اپنے کلام کو ختم کیا اور دیکھا کہ سامعین جو شہباز پور کے لوگ معہ مولوی عبدالوہاب اور ان کے ہمراہیوں کے انتظار کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے ان کی دعوت کی تھی۔ پس بہاری مولوی صاحب اور مولوی عبداللہ چھپروی مقام شہباز پور کو روانہ ہوئے اور میں بھی ان سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آیا یہاں تک دوسرے دن کی کارروائی ختم ہوئی۔

تیسرا دن۔ معلوم ہوا کہ آج دوپہر تک بہاری مولوی صاحب اور ان کے ہمراہی شہباز پور سے برہمن بڑیہ واپس آجائیں گے اور اپنے کسی پرستار کے گھر دعوت کھا کر کلکتہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس دعوت کرنے والے شخص نے مجھ کو بھی دعوت دی تھی۔ لیکن چونکہ شہباز پور سے مولوی صاحبان کی واپسی میں دیر ہوئی اس وجہ سے میں نے اپنے گھر ہی میں کھانا کھالیا۔ اور اس دعوت میں نہ جا سکا۔ آخرش بہاری مولوی صاحب اور ان کے ہمراہی مولوی عبداللہ چھپروی بڑی دیر کے بعد شہباز پور سے واپس آئے۔ اور دعوت کا کھانا کھا کر اسٹیمر گھاٹ پر چلے گئے۔ تاکہ اسٹیمر پر سوار ہو کر کلکتہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اتفاقاً میں بھی کسی ضروری کام کے لئے اسٹیمر گھاٹ پر چلا گیا۔ اور وہاں مولوی صاحبان سے ملاقات ہو گئی۔ بہت دیر تک ان سے بات چیت ہوتی رہی۔ آخرش میں نے ان کی دعوت بھی کر دی اور کہا کہ آج میرے ہاں قیام کر کے کل کلکتہ کی طرف روانہ ہو جایئے گا۔ لیکن بہاری مولوی صاحب نے یہ عذر

پیش کیا کہ فلاں دن میرے ایک مقدمہ کی تاریخ مقرر ہے۔ اگر آج یہاں سے نہ روانہ ہو جاؤں تو تاریخ مقررہ تک وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے میرا تقریباً ایک ہزار روپیہ کا نقصان ہو جائے گا۔ اس مرتبہ آپ معاف فرمائیں کسی اور موقعہ پر جتنے دن آپ چاہیں گے آپ کے یہاں ٹھہروں گا۔ پھر میں نے زیادہ اصرار نہ کیا۔ اور وہ لوگ اسٹیمر پر سوار ہو کر کلکتہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن رخصت ہوتے وقت دونوں مولوی صاحبان نے مجھ سے اقرار کیا تھا کہ برہمن بڑیہ سے جانے کے بعد سلسلہ احمدیہ کی نسبت مجھ سے خط و کتابت ضرور کریں گے۔ اور جو اعتراضات ہوں۔ ان سے مجھے مطلع کریں گے اور جس قدر عمدہ رسالے اس سلسلہ کے خلاف میں مل سکیں۔ وہ مجھے قیمتاً عنایت کریں گے۔ لیکن یہاں سے جانے کے بعد بہاری صاحب نے تو ایک ٹکڑا کاغذ کا بھی میرے پاس نہ بھیجا اور مولوی عبداللہ چھپروی گو چند روز تک کچھ خط و کتابت کرتے رہے لیکن چونکہ ان کے خطوط میں صرف متعصبانہ جھگڑا ہوتا تھا۔ اور عالمانہ اور منصفانہ بات نہ ہوتی بلکہ ثناء اللہ کے رنگ میں تحقیر کرتا تھا اس وجہ سے میں نے اس سے خط و کتابت ترک کر دی۔ واللّٰہ المعین یہاں تک کہ تیسرے دن کی کارروائی ختم ہوئی۔ واللّٰہ اعلم

المختصر اس جنگ و جدل کے بعد بھی میں سلسلہ احمدیہ کی تحقیق حتی الامکان کرتا رہا۔ اور جب سنتا کہ کسی مخالف نے کوئی کتاب یا رسالہ سلسلہ احمدیہ کے خلاف لکھا ہے یا کسی احمدی عالم نے سلسلہ کی تائید میں کوئی رسالہ چھپوایا ہے اس کو منگاتا۔ غور سے پڑھتا اور دلائل کو جانچتا تھا قادیان کے اخبار "الحکم" اور "البدر" بھی میرے نام جاری تھے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اخبار "الحدیث" کے پرچے بھی کبھی کبھی منگالیتا تھا۔ مجھ میں طرفداری بالکل نہ تھی۔

کیونکہ میں بالکل نہ جانتا تھا کہ قادیان بھی کوئی مقام ہے اور اس میں مرزا غلام احمد صاحب بھی کوئی شخص ہیں۔ مگر صرف خشیت الٰہی سے اس قسم کی تحقیق و تفتیش میں مصروف تھا صرف یہی خیال تھا کہ اگر فی الواقع یہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پروردگار عالم کے حضور جب جاناہوگا تو کیا جواب دوں گا۔ اسی خوف سے میری یہ حالت تھی کہ کسی قسم کی کوشش تحقیق و تفتیش کی میں نے باقی نہ چھوڑی تنہا بیٹھ کر بھی میں اس بارہ میں غور و فکر کرتا۔ استخارہ وغیرہ بھی کرتا۔ اگرچہ میں درپردہ تحقیق و تفتیش میں لگا تھا پھر بھی میری شکایت اطراف و جوانب میں پھیلنے لگی۔ شریر لوگ یوں تو کچھ نہ کرسکتے تھے لیکن ہر سال عیدین کے موقعہ پر میری شکایت کرتے پھرتے اور اشرار و نابکار لوگوں کو مجھ سے بدظن کرتے تاکہ میں عیدگاہ میں عید کی نماز کی امامت نہ کرسکوں حالانکہ میں ہی عیدین کی نمازیں پڑھایا کرتا تھا۔ لیکن ان کی شرارت ہمیشہ ناکام رہتی کیونکہ عین وقت پر جب میں عیدگاہ میں پہنچ جاتا تو سب شروفساد ٹھنڈا ہو جاتا۔ اور اشرار ناکام رہ جاتے۔ چنانچہ کئی سال تک یہی حال رہا اور میں شریروں کا حال دیکھتا اور صبر کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہی کرے گا اسی دوران میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی خبر سننے میں آئی تو میں بہت گھبرا گیا کیونکہ بہت سی پیشگوئیاں متوقع الوقوع باقی تھیں اور میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مخالفین کو کیا جواب دوں گا۔ لیکن ان ہی دنوں قادیان سے شائع شدہ رسالوں کے مضامین نے میری بہت کچھ تشفی کردی اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہا۔

بیان سفرِ ہندوستان و پنجاب
اور اکابر علماء سے گفتگو و بحث

اگرچہ سلسلہ احمدیہ کی حقیقت مجھ پر کھل گئی تھی اور اس میں تشفیٔ خاطر و شرح صدر بھی حاصل ہو گیا تھا تاہم چونکہ بنگالہ کے اکثر خاص و عام کہا کرتے تھے کہ ہندوستان و پنجاب کے اکثر نامی گرامی علماء اس طریقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔ اس لئے میرے دل میں اکثر یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید ان علماء کی تحقیق میں کوئی وجہ دقیق اس طریقہ کے بطلان پر حاصل ہوئی ہو تو جب تک بالمشافہ ان علماء سے اس طریقہ کے بارے میں گفتگو نہ کرلوں۔ ہرگز اس طریقہ میں داخل نہ ہوں گا۔ اور بعض اوقات یہ بھی خیال آتا تھا کہ قادیان میں جو لوگ حضرت مرزا صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے ہیں ان کی عملی حالت اور روحانی کیفیت بھی بچشم خود دیکھ لینی چاہئے کہ کیسی ہے تاکہ ہر طرح اطمینان و تسکین خاطر حاصل ہو جائے۔ پس میرے احمدی ہونے میں مذکورہ بالا دونوں باتیں حائل تھیں۔ اور دونوں ایک سفر دراز کو چاہتی تھیں۔ میں ہر سال ارادہ کرتا تھا کہ اس مہینے کی تعطیل میں وہ سفر کروں۔ لیکن تعطیل کے شروع ہونے سے پہلے ہی میری طبیعت خراب ہو جاتی تھی۔ اور میں بیمار ہو جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۱۲ عیسوی کے اکتوبر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مجھے اس سفر کی توفیق عطا کی اور میری طبیعت بھی بفضلہٖ تعالیٰ اچھی رہی۔ بعونِ الٰہی خاکسار مندرجہ ذیل تین دوستوں کو ساتھ لے کر عازم سفر ہوا (۱) مولوی امداد علی (۲) قاری دلاور علی (۳) دھانو منشی۔ اول

ہم لوگ مقام برہمن بڑیہ سے روانہ ہو کر شہر کلکتہ پہونچے۔ چونکہ سنا گیا تھا کہ مولانا شبلی نعمانی اس وقت لکھنؤ میں ہیں۔ اس لئے کلکتہ سے روانہ ہو کر پہلے لکھنؤ گیا۔ اور وہاں مرزا کبیرالدین احمد صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ لکھنؤ کے مکان پر فروکش ہوا۔ اگرچہ مرزا صاحب اپنی ملازمت پر گئے ہوئے تھے اور گھر پر موجود نہ تھے۔ پھر بھی ان کے بھائی صاحب بہت ہی خاطر و تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ تیسرے پہر کو میں نے ان کو بتایا کہ میری اصل غرض لکھنؤ آنے کی یہ ہے کہ مولانا شبلی صاحب سے مل کر تخلیہ میں کچھ باتیں کروں اس کے لئے کون سا وقت موزوں ہوگا۔ یہ سنکر انہوں نے اپنی انجمن احمدیہ کا ایک مطبوعہ فارم نکال کر مولانا شبلی کے نام ایک خط لکھا کہ بنگال سے ایک عالم ہمارے یہاں تشریف لائے ہیں اور جناب سے ملاقات کے خواہشمند ہیں براہ عنایت مطلع فرمائیں کہ جناب سے ملنے کا کونسا وقت موزوں ہوگا۔ یہ خط جب لکھا جا چکا تو میرے دل میں خیال گذرا کہ یہ لوگ یہاں قادیانی مشہور ہیں۔ پس اگر میں ان کے ذریعہ سے مولانا شبلی سے ملنے گیا تو وہ ہرگز شرح صدر کے ساتھ مجھ سے نہ ملیں گے۔ اور یہ بات میں نے مرزا کبیرالدین صاحب کے برادر عزیز پر ظاہر کی اور کہا کہ صرف ایک راہبر میرے ساتھ کر دیں۔ تاکہ مولانا شبلی کا گھر مجھے دکھا کر چلا آوے۔ میں خود ان سے حسب دلخواہ ملنے کی تدبیر کر لوں گا۔ پس انہوں نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔ اور ایک نوجوان کو جو شاید ان کا بھانجہ تھا میرے ساتھ کر دیا۔ وہ میرے ہمراہ مولانا شبلی صاحب کے مکان تک گیا اور مجھے جگہ دکھا کر چلا آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ مولانا کے دروازے پر سائن بورڈ پر لکھا ہوا ہے کہ "جو صاحب مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں وہ چار بجے کے بعد تشریف لاویں"۔

اتفاقاً اس وقت چار ہی بجے تھے پس میں مولوی امداد علی کو ساتھ لئے ہوئے جو میرے ہمراہ تھے مولانا شبلی کے حجرہ میں جا پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ مولانا میرے حسب دلخواہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ مولانا شبلی صاحب سے تنہائی میں ملنے کی وجہ یہ تھی کہ سابق میں جب وہ علی گڑھ کالج کے عربی پروفیسر تھے اس وقت میں نے ان کے پاس ایک جوابی پوسٹ کارڈ میں یہ سوال لکھ بھیجا تھا کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات و وفات کے بارہ میں علماء کے درمیان سخت اختلاف ہے پس اس کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے۔ بیّنوا و تُو جرُوا؟ انہوں نے اس کے جواب میں اس طرح کی عبارت لکھی تھی۔ قرآن کریم سے بظاہر تو عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پانا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قریب قیامت کے وہ پھر دنیا میں نازل ہوں گے۔ انتہیٰ

ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سوال و جواب میں کس قدر بعد ہے۔ اور اصل سوال جو ان کی رائے کے متعلق تھا۔ لوگوں کے خوف سے اس کا جواب انہوں نے نہ دیا جب یہی بات میں نے ان سے بالمشافہ پوچھی تو انہوں نے کچھ اور ہی جواب دیا جیسا کہ عنقریب عرض کروں گا علاوہ اس کے میں نے بعض لوگوں کی زبانی سنا تھا کہ مولانا شبلی صاحب اس مسئلے یعنی وفات مسیح میں احمدیوں کے موافق ہیں اور لوگوں کے خوف سے اقرار نہیں کرتے۔ اسی لئے میں نے ان سے تخلیہ میں ملنے کا انتظام کیا تھا تا کہ وہ اقرار کرنے میں خوف نہ کریں۔ لیکن انہوں نے اقرار نہ کیا۔ کیونکر کرتے۔ کیونکہ جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو اور صرف انسانوں کا ڈر ہو ایسے شخص سے حق کا اعلانیہ اقرار کرانا بہت مشکل ہے۔

مکالمہ با مولانا شبلی نعمانی

الغرض مولانا شبلی صاحب کو ان کی نشست گاہ میں تنہا پا کر میں بہت خوش ہوا۔ اور سمجھا کہ شاید وہ حق کا اقرار کرلیں گے کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔ خاکسار نے ان کے سامنے جاکر السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ عرض کیا۔ جس کے جواب میں انہوں نے وعلیکم السلام کہا۔ اور بیٹھنے کی تواضع کی۔ ایک کوچ پر جو وہاں بچھی ہوئی تھی بیٹھنے کے لئے کہا اور میرے بیٹھ جانے کے بعد دریافت کرتے رہے کہ وطن کہاں ہے اور کیا شغل رکھتا ہوں۔ میں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ بندے کا مکان جس حصہ ملک میں ہے وہاں جناب کا ساعالم میسر نہیں۔ پس اگر جناب اجازت دیں تو بندہ اپنے بعض شبہات عرض کرے۔ تا اس کا حل ہو جاوے۔ مولوی صاحب نے اجازت دے دی۔ تب خاکسار نے پوچھا کہ قادیانی عقائد کے بارے میں جناب کی کیا تحقیق ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے فرمایا کہ مذاہب باطلہ میں سے ہے اور یہی اکثر علماء وقت کی رائے ہے۔ پس میں نے کہا کہ جناب نے کبھی اس مذہب کی تردید میں کچھ تحریر بھی فرمایا۔ یا نہیں؟ جس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے اس بارہ میں کبھی کچھ نہیں لکھا۔ پھر خاکسار نے کہا کہ لکھنا تو ضرور چاہئے تھا۔ آخر کیوں نہیں لکھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ جب کبھی کسی باطل مذہب کی تردید کی جاتی ہے تو وہ مذہب اور بڑھتا ہے اور اگر خاموشی اختیار کی جاوے تو از خود بتدریج مٹ جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے تاریخ طبری میں پڑھا ہے کہ بغداد میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان بڑا جھگڑا تھا۔ سنی جب

تک شیعوں کو دبانے کی غرض سے ان پر حملے کرتے رہے شیعہ اور ترقی کرتے جاتے تھے۔ اور جب سنیوں نے سکوت اختیار کیا تب سے شیعہ از خود کمزور ہونے لگے اور ان میں تنزل شروع ہوگیا۔

خاکسار نے کہا کہ جناب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف نے مذاہب باطلہ کی تردید میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ بے جا تھیں علاوہ بریں میں نے صواعق محرقہ کے آغاز میں دو حدیثیں دیکھی ہیں ان سے ایک یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے اِذَا ظَهَرَ الْفِتَنُ اَوْ قَالَ الْبِدَعُ وَ سَبُّ اَصْحَابِی فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ فَرْضًا وَّلَا عَدْلًا؟ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ جب ظاہر ہوں فتنے یا فرمایا بدعتیں اور گالی دینا میرے اصحاب کو پس چاہئے کہ ظاہر کرے عالم اپنے علم کو اس پر۔ پس جس نے نہ کیا یہ پس اوپر اس کے لعنت اللہ تعالیٰ کی ہے اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی نہ قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے عبادات کو نہ نفل نہ فرض۔ انتہیٰ اور اگر فرضاً جناب کی دلیل کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تب بھی چپ رہنا اس وقت مفید ہوتا ہے جب جناب تمام علماء ہند کو اپنے ساتھ متفق کر لیتے۔ اور سب کے سب خاموش رہتے اور بغیر اس کے فقط جناب کے چپ رہنے سے کیا فائدہ ہوگا جبکہ ہمیشہ ہر طرف سے تردید کی دھوم مچ رہی ہے جو عیاں ہے۔ میری یہ دلیل سن کر مولانا شبلی صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور اتنی دیر تک سکوت میں رہے کہ جب پھر جواب کی امید باقی نہ رہی۔ تو خاکسار نے دوسری بات پوچھی۔ جو یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات و وفات کے متعلق عام علماء میں بڑا اختلاف ہے۔ اور احمدی عقائد کے لوگ شد و مد کے ساتھ وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت

کرتے ہیں۔ جس کا جواب دینا مشکل ہو رہا ہے۔ جناب کی تحقیق اس بارہ میں کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کے متعلق کوئی یقینی بات نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ادھر بات تو وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی یہودیوں نے نہ تو حضرت عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ ان کو صلیب دیا اور ادھر فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ بھی ہے یعنی جبکہ وفات دے دی تو نے مجھ کو اے پروردگار میرے فقط تو ہی نگہبان رہا اوپر ان کے یعنی نصاریٰ کے۔ انتہٰی

خاکسار نے کہا کہ اس عقیدہ کو ٹھیک کرنے کے لئے اس قدر دور سے جناب کے پاس آیا۔ اب جب جناب بھی فرماتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں کہا جا سکتا تو آپ فرمایئے کہ اس کے لئے کہاں اور کس کے پاس جاؤں؟ اس پر مولانا نے فرمایا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ شریعت کے ہر ایک مسئلے کو ٹھیک کر لیا جاوے۔ چنانچہ استویٰ علی العرش کے مسئلے میں حضرت امام مالک صاحب فرماتے ہیں اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفِيَّتُ مَجْهُوْلٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ وَالْاِيْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ یعنی استواء کے معنی سب کو معلوم ہیں اور کیفیت اس کی مجہول ہے یعنی نامعلوم اور سوال کرنا اس سے بدعت ہے اور ایمان لانا ساتھ اس کے واجب ہے۔ انتہٰی

پس خاکسار نے کہا کہ استویٰ علی العرش صفات باری تعالیٰ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے ساتھ بے چون و بے چگون ہے۔ پس اگر استویٰ علی العرش کے بارے میں کہا جاوے کہ ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے تو بے شک بجا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ ایک نبی جلیل القدر تھے۔ مگر جنس بشر سے تھے۔ اور بشر کے لئے حیات و وفات ایک معمولی امر ہے پس یہ مسئلہ نظیر استواء علی العرش کی نہیں ہو سکتی۔ اس پر بھی مولانا شبلی

صاحب سکوت کر گئے اور اس قدر دیر تک سکوت میں رہے کہ جب جواب کی امید باقی نہ رہی تو پھر خاکسار نے توقف بسیار کے تیسری بات پوچھی۔ جو یہ تھی۔ کہ نزول مسیح کی حدیث تو صحیح بخاری میں بھی ہے جس کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے اس میں لفظ نزول کے کیا معنی ہیں۔ خصوصا بعد ثبوت وفات مسیح کے اور احمدی لوگ تو وفات مسیح ثابت کرنے کے بعد ہی اس کو پیش کرتے ہیں جس کا جواب دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مولانا شبلی صاحب نے جواب دیا کہ یہ سب حدیثیں تو اخبار احاد سے ہیں جو یقینی نہیں ہیں خاکسار نے کہا کہ اکثر حدیثیں تو اخبار احاد ہی میں سے ہیں۔ متواتر کہاں ہیں اور ہیں بھی تو بہت ہی کم قطع نظر اس کے اخبار احاد کے بھی تو معنی ہوتے ہیں مہمل تو نہیں ہیں اور کلام تو معنی ہی میں ہے مفید یقین و مفید ظن ہونے میں تو نہیں ہے اس پر بھی مولانا شبلی نے سکوت فرمایا ار یہ تیسرا سکوت تھا مخفی نہ رہے کہ ان سکوتوں پر خاکسار مولوی شبلی کی مدح وستائش ہی کرتا ہے کیونکہ عالم کی شان ایسی ہی ہونی چاہئے۔ کہ جس امر میں جواب معقول کی راہ معقول نہ ہو سکوت اختیار کرے اور اب تو نااہلوں کا زمانہ آپڑا ہے کہ سکوت کرنے کو موجب ننگ وعار سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اس مثل کے مصداق ہیں "ملا آں باشد کہ چپ نشود" دانشمند حقیقت رس لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر سکوت نہ کرنا موجب ننگ وعار ہے۔

مکالمہ با مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی

مولانا شبلی صاحب سے باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ یکایک ایک شخص معمرو معممؒ آگئے جن کو میں نے ان کی صورت سے نہ پہچانا۔ اسی عرصہ میں اور بھی دس بارہ آدمی باہر سے آکر فرش زمین پر بیٹھ گئے۔ چونکہ مولانا شبلی صاحب نے اس اول شخص کو بہت اعزاز کے ساتھ بٹھایا اس وجہ سے میں نے سمجھا کہ یہ شخص یہاں کا کوئی معزز مولوی ہے پس جب میں نے ان بزرگ سے ان کا اسم گرامی و دولت خانہ دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ "ٹونک" اس پر میں نے کہا کہ وہی ٹونک نا جو ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے۔ میری طرف سے یہ تفتیش سن کر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ کسی قدر ترشروسے ہو گئے۔ جس کی وجہ میں نے کچھ نہ سمجھی یہاں تک گفتگو ہوئی کہ ان دس بارہ آدمیوں میں سے ایک شخص جو نیم مولوی سا نظر آتا تھا کھڑا ہو کر ادب سے کہنے لگا کہ آپ کے مخاطب مولینا مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی ہیں یہ سن کر میں پھڑک اٹھا اور ان سے مصافحہ کر کے کہا کہ آپ تو اس وقت میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں کیونکہ خاکسار آپ کا نام نامی بہت دنوں سے سنتا رہا اور آپ کی ملاقات کا بڑا اشتیاق رکھتا تھا۔ آپ کے لکھنؤ میں مل جانے کا مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا۔ مفتی صاحب ممدوح نے بھی میرا حال دریافت کیا۔ میں نے انہیں بھی وہی جواب دیا۔ جیسا مولانا شبلی صاحب کو دیا تھا اور چند شبہات کے پیش کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن میری یہ درخواست سن کر وہ کچھ گھبرا سے گئے اور صاف لفظوں میں اجازت نہ دی۔ اس پر مولانا شبلی صاحب کسی قدر مسکرا کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب کو اور تو کچھ پوچھنا نہیں۔ فقط قادیانی مذہب کے متعلق کچھ دریافت کرنا

ہے یہ سن کر مفتی ٹونکی صاحب کسی قدر زہر خندی کے ساتھ باہستگی گویا ہوئے کہ قادیانی مذہب کے متعلق کیا پوچھیں گے۔ ان کے اس سوال کو میں نے اجازت پر حمل کرکے کچھ پوچھنا شروع کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے کہا کہ جناب نے قادیانی مذہب کے رد میں بھی کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے کہا۔ "نہیں" میں نے پھر کہا کہ کیوں نہیں لکھا میں نے تو آپ کا دستخط مرزا صاحب کے مخالفین کے بعض بعض فتاوٰی تکفیر پر دیکھا ہے۔ ٹونکی مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے مرزا کے مذہب کی تردید لکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ مرزا صاحب کے خیالات کی تردید کرنے والے اور بہت سے لوگ ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بہت کچھ لکھا ہے۔ پہلے تو وہ مرزا صاحب کے مرید تھے پھر مخالف ہو گئے۔ اس پر میں نے کہا۔ میں نے آپ کا لکھا ہوا ایک رسالہ حرمت[1] غراب پر دیکھا ہے اور یہ نہایت تعجب کی بات ہے کیونکہ کوّا کون کھاتا ہے؟ نہ آپ کھاتے ہیں نہ میں کھاتا ہوں اور نہ کوّا کھانے والا کسی کو میں نے دیکھا ہے دیوبندی جو مسئلہ حلّت غراب کے بانی مبانی ہیں وہ لوگ بھی نہیں کھاتے فقط ایک فرضی بات ہے کہ ضد سے اس پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ کو رد لکھنے کی خوب فرصت ملی اور ادھر ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی آپ جیسے بزرگوں کے فتاوٰی کے مطابق کافر ہو رہے ہیں۔ پھر بھی آپ کو رد لکھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس پر ٹونکی مولوی صاحب شرمندہ سے ہو گئے اور دیر تک سر نیچا کئے کچھ غور کرتے رہے اتنے میں مولانا شبلی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ملازم کو حکم دیا کہ کمرے کی سب کھڑکیاں کھول دے۔ اور ہماری طرف مخاطب ہو کر کہا۔ آپ لوگ اچھی طرح باتیں کرلیں۔ میں باہر جا کر بیٹھتا ہوں اور پھر باہر جا کر ایک چارپائی پر جو برآمدہ میں پڑی تھی بیٹھ گئے۔ اور یوں کہنا چاہئے کہ گویا اپنے عوض ایک اور شکار

---

[1] کوے کے حرام ہونے پر

میرے لئے چھوڑ کر اپنی جان بچالے گئے۔ اب میں نے پھر مفتی ٹونکی صاحب سے پوچھا کہ اچھا جناب حیات ووفات عیسیٰ علیہ السلام میں آپ کی کیا رائے ہے اس کا کچھ جواب نہ دے کر وہ جھٹ بول اٹھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی اگر ثابت ہو جاوے تو مرزا صاحب کو اس سے کیا فائدہ۔ اصل کلام تو ان کی نبوت میں ہے میں نے کہا کہ مرزا صاحب جس قسم کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں تو میں کچھ قباحت نہیں دیکھتا کیونکہ ان کا دعویٰ نبوت غیر تشریعی وظلی کا ہے اس کی امتناع پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی جاتی۔ اور اکابر علمائے کرام نے بھی اس کے جواز کا اقرار کیا ہے۔ مثلاً شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اور امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں۔ اور ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں۔ اور شیخ محمد طاہر حنفی نے مجمع البحار میں۔ ٹونکی مولوی صاحب نے کہا کہ اس کے امتناع پر قرآن وحدیث میں دلائل قاطعہ موجود ہیں جن سے ہر قسم کی نبوت کا امتناع بعد آنحضرت صلعم کے ثابت ہوتا ہے میں نے کہا کہ اچھا پہلے قرآن کریم سے دیکھا جائے کہ کون سی آیت ایسی ہے جس سے ہریک قسم کی نبوت کا امتناع بعد آنحضرت صلعم کے ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ مشہور و مذکور آیت پڑھ دی۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی نہیں ہے محمد باپ کسی کا مردوں سے تمہارے لیکن رسول ہے اللہ کا اور خاتم یعنی مہر ہے نبیوں کا۔ میں نے کہا کہ یہ آیت تو بی بی زینب کے نکاح کے بارے میں ہے انہوں نے کہا ہاں۔ پس میں نے پوچھا۔ کہ اس آیت میں لفظ لکن جو کلمہ استدراک ہے اس کی وجہ استدراک کیا ہے اور لفظ رسول اللّٰہ اور لفظ خاتم النّبیّین کی عطف کی کیفیت کیا ہے اور یہ دونوں معطوف اور معطوف علیہ مقام مدح میں واقع ہیں

یا مقام ذم میں لیکن ٹونکی مولوی صاحب نے اس سوال کے جواب سے پہلو تہی کی۔ اور صرف لفظ خاتَم النّبیّین کو لے بیٹھے اور خاتَم النّبیّن کو باربار خاتِم النّبیّین کہتے رہے۔ میں نے کہا کہ حرف "ت" کو زبر کے ساتھ ادا کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ زبر سے بھی آیا ہے اور زیر سے بھی آیا ہے۔ اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں میں نے کہا کہ ہو مگر آپ جس مصحف مجید میں تلاوت کرتے ہیں اس میں کیا لکھا ہے زبر سے یا زیر سے۔ تب انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ وہاں زبر سے ہی لکھا ہے اور میں نے پوچھا کہ لفظ خاتَم کے معنی مہر کے ہیں یا نہیں تو انہوں نے اس کو بھی تسلیم کیا۔ اور باوجود ان دونوں اقراروں کے لفظ خاتَم النّبیّن کے معنی اخیر نبی کرنے لگے۔ میں نے کہا ان الفاظ کے معنی آپ نے جو آخر الانبیاء کئے ہیں اس کی کوئی دوسری نظیر کلام مستند عرب سے آپ دکھا سکتے ہیں اس کا تو کچھ جواب انہوں نے نہ دیا اور جھٹ کہدیا کہ حدیث شریف میں تو صاف لَا نَبِیَّ بَعْدِی آگیا ہے میں نے کہا کہ اس کے آپ کیا معنی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کے معنی تو بہت ہی واضح ہیں۔ اسم نکرہ تحت میں لائے نفی جنس کے جب واقع ہے تب ضرور نفی استغراقی کے معنے ہوں گے۔ میں نے کہا کہ احادیث میں اس قسم کی ترکیبیں کثرت سے واقع ہیں اور ہر جگہ نفی استغراقی کے معنی بن نہیں سکتے۔ چنانچہ ایک حدیث اس طرح مروی ہے کہ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَهٗ یعنی جس میں امانت نہیں اس کا کچھ ایمان نہیں اور جس میں وفائے عہد و پیمان یعنی قول و قرار نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ انتہٰی

دیکھئے ان دونوں فقروں میں اسم نکرہ تحت میں لائے نفی جنس کے واقع ہے اور نفی استغراقی بن نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر یہاں نفی استغراقی معنی کئے جائیں تو

جو شخص امانت میں خیانت کرے اس کو بے ایمان یعنی کافر اور جو شخص اپنے قول و قرار کو توڑے گا اس کو بے دین یعنی کافر کہنا پڑے گا۔ حالانکہ محققین و شراح حدیث اس حدیث کے ایسے معنی نہیں کرتے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں ایسے معنی نہیں کئے بلکہ نفی کمال ایمان و نفی کمال دین کے معنی کئے ہیں۔ پس اس کے مطابق اگر حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِی کے بھی معنی نفی کمال نبوت کے کئے جاویں۔ تب کچھ بھی اشکال باقی نہیں رہتا۔ بلکہ بلا تکلف یہ معنے ہوتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی کامل نبی نہیں جو صاحب کتاب صاحب شریعت و صاحب نبوت مستقلہ ہو نہیں ہو گا۔ پس اگر آپ کے بعد کوئی نبی غیر تشریعی اور ظلی شریعت محمدیہ کے ماتحت ہو اور آنحضرت صلعم کے کمال اتباع سے نبوت حاصل کرنے والا ہو تو اس کا امتناع اس حدیث سے کس طرح ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اگر پھر بھی آپ ضد کریں اور اس سے آنحضرت صلعم کے بعد نبی کے آنے کا امتناع مطلق ثابت کرنا چاہیں تو پہلے بے دین ہونے کا فتویٰ عنایت کریں۔ تو پھر دیکھا جائے گا۔ یہ سن کر مفتی صاحب حواس باختہ ہو گئے۔ اور وہاں سے اٹھ کر باہر مولانا شبلی صاحب کے پاس جا بیٹھے اور جاتے وقت دبی زبان سے یہ بھی کہتے گئے۔ کہ ایسا ہونے سے تو آپ سب جو کچھ جی میں آوے کہہ سکیں گے؟

الختصر چونکہ مغرب کی نماز کا وقت بہت قریب تھا اور دونوں مولوی صاحبان بھی فرار کر چکے تھے۔ ہم بھی وہاں سے اٹھ کر اور مولوی صاحبان مذکورین کے پاس سے گذرتے ہوئے ان کو کچھ کلمات نصیحت آمیز بایں الفاظ کہتے چلے آئے کہ حضرات! آپ لوگ ہمہ تن دنیا کی طرف مائل ہیں اور دین کی طرف بالکل

نظر نہیں کرتے۔ جب فتویٰ لکھتے ہیں۔ تو عنوان پر لکھتے ہیں۔ چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین۔ علمائے دین کیا ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ لوگوں کو خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ ہرگز خوش نہ ہو گا۔ دنیا کی یہ عزت و آبرو بالکل بے سود ہے اور دائمی نہیں میرے یہ کلمات سن کر دونوں مولوی صاحبان میرا منہ تکتے رہ گئے اور ہم رخصت ہو کر چلے آئے۔

دوسرے دن میں فرنگی محل گیا۔ مقصود یہ تھا کہ حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور کے داماد سے ملوں اور مولانا مرحوم کے گھر کا حال دریافت کروں لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں اور کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ پس ان کی تلاش میں مولوی عبدالباری صاحب کے یہاں جا پہنچا۔ مولوی عبدالباری صاحب نے اس دن جلاب کی دوا استعمال کی تھی۔ پھر بھی ان سے کچھ باتیں ہوئیں اور وہ بھی میں نے اس غرض سے چھیڑا کہ تا انہیں معلوم ہو جائے۔ فقط اس بات کی بناء پر کہ ان کو معلوم ہو کہ میں بھی حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور کے شاگردوں میں سے ہوں۔ مولوی عبدالباری صاحب بات بات میں مجھے کہتے کہ مولوی صاحب آپ معقول آدمی ہیں۔ حالانکہ میں نے ان سے کوئی معقولیت ظاہر نہیں کی تھی۔ الغرض باتوں باتوں میں حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی بابت بھی درمیان میں بات آگئی۔ مولوی عبدالباری صاحب کہنے لگے کہ میں قادیانیوں سے گفتگو کرتے وقت مسئلہ حیات و وفات مسیح سے گفتگو شروع نہیں کرتا بلکہ میری گفتگو مرزا صاحب کے دعویٰ مہدویت پر کے دلائل سے شروع ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو عام لوگوں کا طریق ہے۔ علمائے اہل تحقیق تو ہرگز ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کا فرض تو یہ ہے کہ مسئلہ حیات مسیح کو پہلے دلائل قویہ سے ثابت کر دیں جس سے سب

بکھیڑے طے ہو جاویں۔ لیکن شاید حیات مسیح کے دلائل قویہ آپ کے پاس نہیں ہیں اس وجہ سے ایسا نہیں کرتے ورنہ ہرگز ایسی کج راہی نہ اختیار کرتے۔ انہوں نے کہا کہ جس طریق سے مخالف کو جلد مغلوب کیا جا سکے گفتگو میں اسی طریق کو اختیار کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک تو حیات مسیح پہلے ثابت کر دینے سے سب بکھیڑے طے ہو جاتے ہیں بشرطیکہ دلائل قویہ حیات مسیح اسرائیلی آپ کے پاس موجود ہوں انہوں نے کہا کہ حیات مسیح کے دلائل موجود ہونے پر اس کے ثابت کرنے میں کچھ مشکلات ہیں۔ اور مرزا صاحب کس طرح مہدی ہو گئے؟ اس سوال کے آتے ہی قادیانی لوگ بہت جلد لاجواب ہو جاتے ہیں۔ تجربہ سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے میں نے کہا کہ واقف احمدی ہو گا تو وہ آپ کے دلائل و علامت مہدی طلب کرے گا۔ اور اس وقت مشکلات آپ ہی پر آ پڑیں گے۔ مولوی عبدالباری صاحب نے کہا کہ مہدی کے علامات بھی ہم اسی سے دریافت کریں گے میں نے کہا پھر آپ کیا کام کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم مہدی کی علامات پر جرح کریں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کے لئے سب سے بہتر طریق تو یہ ہے کہ آپ اس سے کہیں کہ دوربین یا خوردبین سے آپ کو دکھا دیوے کہ مہدی کیسا ہوتا ہے اس موقعہ کے لئے خاقانی نے خوب ہی کہا ہے

انصاف نہاں شد و وفا ہم

بالآخر میں نے کہا کہ جتنی باتیں آپ نے ارشاد فرمائیں وہ بالکل ہار جیت کی باتیں تھیں اس میں حق جوئی و حق طلبی اور خشیت اللہ نام کو نہ تھا آپ نے ذرا بھی غور نہیں کیا کہ یہ شخص فی الواقع مامور و مرسل من اللہ ہے یا نہیں اس دنیا و اہل دنیا نے تو ایک جم غفیر انبیاء و مرسلین کو اسی طرح رد کر دیا ہے جیسا اب

وقت آپ نے۔ اگر فی الواقع یہ شخص مامور من اللہ تھا تب جتنے لوگوں نے اس سے مخالفت کی اپنے لئے جہنم کی راہ صاف کی۔ العیاذ باللہ من ذالک۔ میرے اس آخری کلام کا کوئی جواب مولوی عبدالباری صاحب نے نہ دیا۔

المختصر اس قدر گفتگو کے بعد حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے نواسے آگئے۔ خاکسار ان کی احوال پرسی میں مشغول ہو گیا اور اس طرح سلسلہ گفتگو قطع ہو گیا۔ مخفی نہ رہے کہ مولوی عبدالباری صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی تو اس وقت ایک نوجوان عبدالشکور نام کسی کسی وقت بول اٹھتا تھا۔ لیکن میں نے اس کو با قابل خطاب کوئی جواب نہ دیا۔

الغرض وہاں سے رخصت ہو کر میں نے مولوی عین القضاۃ صاحب سے ملنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ وہ دن یوم جمعہ تھا اس وجہ سے قبل نماز جمعہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور بعد نماز جمعہ اگرچہ ملاقات ہوئی۔ لیکن وہ ان باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور گریز کرتے رہے۔ آخر میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اور اسی دن لکھنؤ سے روانہ ہو کر شام کو شاہجہانپور پہونچا جہاں جناب سید مختار احمد صاحب احمدی کے مکان پر قیام ہوا۔ وہ نہایت خاطر و تواضع کے ساتھ پیش آئے اور باصرار تمام ایک دن اپنے پاس مقیم رکھا سید مختار احمد صاحب کے پاس جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ جناب مفتی محمد صادق صاحب نے خاکسار کو ایک مرتبہ لکھا تھا کہ اگر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے ملنا منظور ہو تو پہلے شاہجہانپور کے سید مختار احمد صاحب سے ان کا حال دریافت کر لینا۔ پس ان سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے حالات جس قدر بھی ہو سکا۔ دریافت کر کے شاہجہانپور سے بریلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور شام کو وہاں پہنچ کر سرائے میں جا اترا۔ دوسرے دن مکرمی مولوی امداد علی صاحب کو ہمراہ لے کر

مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کی ملاقات کو چل پڑا۔

مکالمہ با مولوی احمد رضاخان صاحب بریلوی

مولوی احمد رضاخاں صاحب کے مکان پر معلوم ہوا کہ وہ سیر کو باہر تشریف لے گئے ہیں لیکن بہت جلد واپس آجاویں گے بہرکیف وہ تھوڑی ہی دیر میں واپس آگئے اور تحیۃ سلام اور احوال پُرسی کے بعد وہ خود ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور میرے بیٹھنے کے لئے ایک اور کرسی منگادی۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ دیوبندیوں سے جو ان کی سخت مخالفت تھی۔ اس خصوص میں بھی کچھ باتیں ہوئیں اس کے بعد میں نے ان سے دریافت کیا کہ مرزا صاحب قادیانی کی نسبت جناب کی کیا تحقیق ہے اور ان کو آپ کیا سمجھتے ہیں اس پر انہوں نے مندرجہ ذیل لمبی تمہید شروع کردی۔

تمہید مولوی احمد رضاخاں صاحب

ہمارے مخالف جو مدعیٔ دین اسلام ہیں تین قسم کے ہیں۔ اول وہ جو ضروریات دین کے منکر ہیں۔ ہم ان کے حالات کو نہیں دیکھتے بلکہ ان کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کا سا برتاؤ ان سے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کو ہم گمراہ جانتے ہیں لیکن دائرۂ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔ جیسے "فرق باطلہ رافضی خارجی معتزلی وغیرہم" تیسرے وہ ہیں کہ نہ ہم ان کو گمراہ جانتے ہیں اور نہ وہ ہم کو گمراہ جانتے ہیں۔ بلکہ سب آپس میں بھائی

بھائی ہیں جیسے حنفی شافعی مالکی حنبلی مرزا صاحب قادیانی کو ہم پہلے قسم مخالفین میں سے سمجھتے ہیں اس لئے ہم ان کے حالات والہامات کو بالکل نہیں دیکھتے۔ میں نے کہا کہ آپ کی اس تمہید میں کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن میں ان میں کلام کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ان سے میری کوئی غرض متعلق نہیں ہے اس وقت میں آپ سے صرف یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ جو مرزا صاحب کو قسم اول مخالفین میں سے شمار کرتے ہیں اور ان کو دائرۂ اسلام سے بالکل خارج سمجھتے ہیں تو مرزا صاحب میں کون سی ایسی بات پاتے ہیں۔ جس سے آپ ان کو بالکل دائرۂ اسلام سے خارج کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ دور جانے کی ضرورت نہیں فقط ان کے دعویٰ نبوت ہی کو لے لیجئے۔ کہ کس بے باکی کے ساتھ اپنے تئیں نبی کہتے ہیں اور ان کے اتباع اب تک وہی گیت گا رہے ہیں تمام امت محمدیہ کے نزدیک بعد آنحضرت صلعم کے دعویٰ نبوت کفر ہے جو قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے۔ میں نے کہا کہ مرزا صاحب نے جس نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ غیر تشریعی ظلی ہے جو میرے خیال میں جاری و جائز ہے اگر آپ کہتے ہیں کہ گنجائش نہیں تو آپ دلائل دکھائیں اور سمجھائیں میں ضرور مان لوں گا۔ انہوں نے کہا کہ تمام دلائل شرعیہ مطلق واقع ہوئے ہیں۔ آپ ان سے نبوت غیر تشریعی اور ظلی کا استثناء کہاں سے نکالتے ہیں میں نے کہا کہ استثناء کا موقع خود آپ کے دلائل ہی دیتے ہیں۔ میں بلا وجہ وجیہ ایسا نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ کے قوی ترین دلائل میں سے قرآن کریم کے الفاظ خاتم النبیین ہیں ان میں تو امتناع نبوت کا ذکر ہی نہیں آپ لوگ زبردستی ہی ان سے آنحضرت صلعم کے بعد امتناع نبوت مطلقہ کے معنی نکالتے ہیں اور اس ترکیب کی کوئی نظیر بھی کلام مستند عرب سے نہیں دکھا سکتے۔ پھر حدیث شریف سے جو واضح ترین دلیل آپ کے

ہاتھ میں ہے "لا نبی بعدی" ہے اور اس سے آپ لوگ زبردستی نفی استغراق کے معنے نکالتے ہیں حالانکہ حدیثوں میں اس قسم کی ترکیبیں کثرت سے واقع ہیں۔ اور ہر جگہ نفی استغراق کے معنی نہیں دیتیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ یعنی جس کی امانت نہیں اس کا ایمان بھی نہیں ہے اور جس کا عہد و پیمان و قول و قرار نہیں ہے اس کا کوئی دین حق بھی نہیں۔ انتہٰی

اس حدیث میں نفی استغراق کے معنے ہرگز نہیں ہیں۔ اس لئے محققین شراح حدیث بھی اس میں نفی استغراق کے معنی نہیں کرتے بلکہ نفی کمال کے معنے کرتے ہیں اور یہ معنی حدیث "لا نبی بعدی" میں کرنے سے بخوبی گنجائش استثناء نبوت غیر تشریعی و ظلی کی نکل آتی ہے۔ کمالایخفٰی اور شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں اور امام شعرانی الیواقیت والجواہر میں اور شیخ محمد طاہر مجمع البحار میں اور ملا علی قاری موضوعات کبیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد غیر تشریعی نبی کا آنا خاتم النبیین کے منافی نہیں ہے یہ آپ کے اجماع جعلی کو بھی توڑتا ہے۔ میری یہ تقریر سن کر وہ بدحواس سے ہو گئے اور میری تردید میں اور تو کچھ نہ کہہ سکے۔ ناچار یہی کہنے لگے کہ آنحضرت صلعم کے بعد امتناع نبوت کے دلائل کو کیا آپ تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ استغفراللہ۔ ہرگز میں دلائل قرآن و حدیث کو تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ ہر ایک کے مفاد کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ثابت کریں۔ کہ میرا کونسا لفظ تحقیر پر دال ہے۔ العیاذ باللہ۔ میرے خیال میں جو کوئی ایسا کرے وہ میرے نزدیک قابل اخراج از دائرہ اسلام ہے تب انہوں نے کہا کہ اگر آپ دلائل قرآن و حدیث کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان میں پیچیدگیاں نہیں پیدا کرتے تو

میں آپ کو اصل بات بتائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا بہت خوب یہی میرا عین مقصد ہے آپ واضح طور پر فرماویں پس مولوی صاحب نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی نہیں ہے محمد باپ کسی کے مردوں سے تمہارے لیکن رسول اللہ کا ہے اور مہر نبیوں کے۔ انتہٰی

اس آیت شریفہ میں جو لفظ خاتَم النّبیّین ہے یہ لفظ بعد آنحضرت صلعم نبی کے آنے کے نص امتناع پر عموماً قاطع ہے۔ کوئی نبی کسی قسم کا بعد آنحضرت صلعم کے نہیں آسکتا۔ اور اگر کوئی کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے وہ بے شک کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہے تب میں نے کہا کہ کیا اب بندہ بھی کچھ عرض کر سکتا ہے۔ فرمایا کہئے پس میں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ آیت شریفہ مذکورہ بی بی زینب کے نکاح کے بارے میں ہے انہوں نے کہا ہاں اس میں کیا شک۔ میں نے کہا کہ اس آیت شریفہ میں جو کلمہ لٰکن حرف استدراک واقع ہوا ہے۔ اس کی وجہ استدراک کیا ہے بیان فرماویں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اچھا میں پھر بتاؤں گا۔ ابھی الفاظ خاتم النّبین پر غور کیجئے۔ میں نے کہا بہت اچھا فرمایئے کہ جملہ خاتم النّبین مقام مدح میں واقع ہے یا مقام ذم میں انہوں نے کہا کہ مقام مدح میں۔ تب میں نے کہا کہ اب لفظ خاتم النّبیّن کے معنی بیان فرماویں۔ بظاہر اس جملہ میں دو ہی لفظ ہیں خاتَم اور نبیّین اور ظاہر ہے کہ نبیّین جمع ہے لفظ نبی کا۔ اب باقی رہا لفظ خاتم کے معنے۔ پس فرمایئے اس لفظ کے کیا معنی ہیں انہوں نے کہا کہ اس کے معنے ہیں مہر۔ میں نے کہا بہت خوب۔ پس خاتَم النّبیّین کے معنے ہوئے مہر نبیوں کی۔ اب فرمایئے اس سے کیا مراد ہے انہوں نے کہا کہ سب

نبیوں کے بعد آخری نبی۔ میں نے کہا۔ کہ آخری کس لفظ کے معنے ہوئے۔
انہوں نے کہا کہ جب ہم فتویٰ وغیرہ لکھتے ہیں تو سب سے آخر میں مہر کرتے ہیں۔
میں نے کہا کہ سبحان اللہ کیا آپ کا فعل بھی دلیل ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ فقط میں
کیا سب ہی تو ایسا کرتے ہیں یہ تو ایک عام دستور کی بات ہے میں نے کہا کہ سب
کہاں ایسا کرتے ہیں۔ ایک میں ہوں میں تو ایسا نہیں کرتا۔ میری عادت ہے کہ
دہنے طرف حاشیہ پر مہر کر دیتا ہوں اور ایسا ہی اور بھی بہت سے لوگ ہیں ماسوا
اس کے بادشاہی عملداری سے لے کر انگریزی عملداری تک یہی دستور ہے
کہ سرکاری کاغذوں پر سب سے اوپر مہر کرتے ہیں۔ تو کیا فقط آپ کی عادت
اور فعل کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظ خاتم النّبیّین نازل
فرمایا ہے اس کا جواب تو وہ کچھ نہ دے سکے۔ اور جب دیکھا کہ یہ بحث بہت
مشکل ہے تب جھٹ حدیث لا نبی بعدی کی طرف رجوع کیا میں نے اس
کے مقابل میں حدیث لَوْ عَاشَ اِبْرَاہِیْمُ لَکَانَ صِدِّیْقاً نَبِیّاً پیش کردی۔
یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر میرا بیٹا ابراہیمؑ زندہ رہتا تو البتہ وہ نبی
ہوتا۔ انتہٰی

انہوں نے کہا کہ کلمہ لو کے ماتحت کا وقوع ضروری نہیں ہے میں نے کہا
کہ نہ ہو ممکن الوقوع تو ہے پس اس سے بھی میرا مطلب حاصل ہے کیونکہ اس
قدر تو ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی کا آنا ممکن ہے وھذا ھو
مرامی!

المختصر مولوی احمد رضا خاں صاحب سے گفتگو کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی
تھی۔ اور بارہ بج چکے تھے۔ اثناء گفتگو میں بعض اوقات مولوی صاحب کا چہرہ
زرد ہو جاتا تھا۔ ان کا حال دیکھ کر مولوی امداد علی جو میرے ساتھ تھے گفتگو ختم

کرنے کے لئے مجھ سے اشارہ پر اشارہ کرتے جاتے تھے چونکہ وقت بھی بہت صرف ہو چکا تھا اس وجہ سے ناچار میں نے گفتگو ختم کر دی اور مولوی احمد رضا خاں صاحب کے بعض رسالہ جات لے کر وہاں سے رخصت ہوا۔ اور یہ فقرہ میری زبان پر تھا۔ شعر فہمیٔ عالم بالا معلوم شد۔ اور یہ بحث یہاں ختم ہو گئی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ساتھ گفتگو کے وقت ان کے مدرسہ کے مدرسین بھی ہماری گفتگو سننے کے لئے آ گئے تھے۔ اور خاموش بیٹھ کر سنتے رہے لیکن کسی نے دم تک نہ مارا۔ اور میں بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ ہماری گفتگو کے تمام ہوتے ہی سب لوگ اٹھ کر ادھر ادھر چلے گئے۔

میں بھی وہاں سے رخصت ہو کر اپنے جائے قیام یعنی سرائے کو واپس آیا اور کھانے سے فارغ ہو کر مولوی امداد علی و دیگر ہمراہیوں کو ساتھ لے کر امروہہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور شام کو جناب مولوی سید محمد احسن صاحب کے مکان پر جا پہنچا انہوں نے بڑی خاطر و تواضع کے ساتھ ہمیں دو دن تک ٹھہرا رکھا۔ امروہہ جانے کی غرض یہ تھی کہ مولوی محمد احسن صاحب کے بعض رسالہ جات میں اکثر حوالہ جات کے بارہ میں مجھے کچھ شبہات تھے۔ اور میں ان کی تصحیح کرنا چاہتا تھا لیکن بوجہ کبیر سنی اور علالت کے مولوی سید محمد احسن صاحب کے حواس درست نہ تھے۔ اس لئے عبارات مطلوبہ کتب منقولہ سے نکال نہ سکے۔ اور نکالتے کیسے ان کی بصارت بھی جواب دے چکی تھی۔ اور تمام قوائے جسمانی ضعیف ہو گئے تھے جب کچھ لکھنے کی ضرورت ہوتی تو وہ زبانی بتاتے جاتے اور ان کے فرزند محمد یعقوب صاحب لکھتے جاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان کا ایک بہرا منشی بھی لکھتا تھا جس کے بارہ میں خود ہی مذاقاً کہا کرتے تھے کہ اندھا گائے بہرا بجائے۔ تیسرے دن ہم امروہہ سے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے

وہاں پہنچ کر جناب میر قاسم علی صاحب کے گھر جا اترے۔ اور رات کو دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ صبح کے وقت ہم مطبع مجتبائی دیکھنے کے لئے گئے اور وہاں سے جناب مولوی عبد الحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی کی ملاقات کو ان کے مکان کی طرف چل پڑے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ مکان پر تشریف نہیں رکھتے بلکہ خواجہ قطب الدین کے مزار کی زیارت کو گئے ہیں۔ دو گھنٹے کے بعد وہاں سے واپس آئیں گے۔ پس ہم نے دل میں خیال کیا کہ اتنی دیر تک یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے۔ اس عرصہ میں حکیم اجمل خان صاحب کے مطب کی سیر بھی کرلیں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ زن و مرد کے ہجوم سے گویا وہاں بازار لگا ہوا ہے یہ نظارہ ہم دیر تک دیکھتے رہے۔ اور وہاں بیٹھے بیٹھے دوپہر کا وقت ہو گیا۔ چونکہ یہ وقت نامناسب تھا اس لئے مولوی عبد الحق صاحب کے مکان پر اس وقت نہ گئے اور سیدھے اپنی اقامت گاہ پر چلے آئے۔ بعد نماز ظہر مولوی عبد الحق صاحب سے ملنے کے لئے میں پھر چلا۔

مکالمہ با مولوی عبد الحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی

اور وہاں جا کر دیکھا کہ مولوی صاحب اپنے دیوان خانہ میں تشریف فرما ہیں۔ اور ان کے پاس اور بھی چند آدمی موجود ہیں۔ میں بھی سیدھا ان کی نشست گاہ میں چلا گیا اور السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کا تحفہ پیش کیا انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور اعزاز کے ساتھ بٹھایا۔ احوال پرسی کی۔ اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں اسی عرصہ میں حاضرین میں سے ایک شخص نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ حضرت پیر کو سجدہ کرنا اور پیر کا سجدہ کی ممانعت نہ کرنا

شرعا کیسا ہے مولوی صاحب نے جواب دیا کہ کفر ہے اور بڑا کفر ہے اس کے بعد میں نے بھی کچھ سوالات شروع کئے اور کہا کہ جناب والا ظہور مہدی و نزول مسیح کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ کہ مختلف احادیث میں ظہور مہدی اور نزول مسیح کی خبریں آئی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ حدیثیں اخبار احاد سے ہیں اس لئے ان پر مجھے یقین کامل نہیں ہے ہاں ظنی طور پر ہم ان دونوں کی آمد کے قائل ہیں اگر آئے تو فبہا اور اگر نہ آئے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ہمیں مہدی و مسیح کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ ہم تو دین حق و شریعت غراؔ لے کر بیٹھے ہیں اور قرآن کریم میں اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ یعنی کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا آگیا ہے پھر ہمیں مہدی و مسیح کی ضرورت ہے اگر کوئی مہدی بنے یا مسیح بنے۔ بننے دیجئے۔ ہمیں ان کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر مسیح آوے گا تو دجال کو ہلاک کرنے کے لئے آوے گا۔ دین و شریعت سے اس کو کوئی تعلق نہ ہو گا۔ ان کی یہ باتیں سن کر میں نے دل میں کہا کہ یہ تو عجیب ہی قسم کے آدمی ہیں بہر حال ان کو کسی طرح لاجواب کرنا چاہئے۔ آخرش کسی قدر تفکر کے بعد میں نے کہا۔ جناب بندہ آج ہی صبح کو ایک مرتبہ پہلے بھی جناب کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تھا لیکن اس وقت معلوم ہوا تھا کہ آپ خواجہ قطب الدین صاحب کے مزار کی طرف تشریف لے گئے تھے مولوی صاحب نے فرمایا جی ہاں۔ میں قطب صاحب کے مزار پر ہی گیا تھا۔ میں نے کہا کہ بھلا یہ تو فرمائیں کہ آپ وہاں کیوں گئے تھے۔ آپ تو وہ شخص ہیں کہ مسیح و مہدی کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ پھر خواجہ قطب الدین کے آپ کیوں محتاج ہوئے حالانکہ خواجہ قطب الدین آپ کے فتویٰ کے مطابق کافر ہیں۔ میں نے تو جناب کی مجلس میں آکر ہی یہ فتویٰ سنا۔ کہ مرید کا پیر کو سجدہ

کرنا اور پیر کا مرید کے سجدہ کو قبول کر لینا کفر ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ خواجہ قطب الدین اپنے مریدوں کا سجدہ قبول کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے نظام الدینؒ اولیاء کے ملفوظات میں دیکھا ہے کہ بعض مرید آپ کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتے تھے تو حاضرین میں سے ایک شخص نے حضرت نظام الدینؒ سے دریافت کیا کہ یا حضرت کیا آپ اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے بارہا چاہا کہ اس کو موقوف کرادوں لیکن چونکہ میں نے حضرت صاحب یعنی شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کے دربار میں دیکھا ہے اس لئے ممانعت کی جرات نہیں کرتا۔ اسی طرح شیخ ممدوح کے ملفوظات میں بھی لکھا ہے کہ مرید لوگ آکر چوکھٹ پر سر رکھ دیتے تھے تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔ یا حضرت کیا آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں۔ تو شیخ شکر گنجؒ نے بھی اسی طرح فرمایا کہ میں نے بارہا چاہا کہ اس کو موقوف کرادوں لیکن چونکہ میں نے حضرت صاحب "یعنی خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی" کے دربار میں دیکھا ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں اس لئے ممانعت کی جرأت نہیں کرتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خواجہ قطب الدینؒ سجدہ قبول فرماتے تھے۔ اور آپ کے فتویٰ مذکور الصدر کے مطابق یہ کافر تھے۔ اور مسیح و مہدی کی فضیلت و آمد کی خبر احادیث صحیح میں آئی ہے اور خواجہ قطب الدین کا کوئی ذکر احادیث صحیح کیا بلکہ غیر صحیح میں بھی نہیں ہے پس آپ کا مسیح و مہدی کا محتاج نہ ہونا اور خواجہ قطب الدین کے استخوان بوسیدہ کا محتاج ہونا بسا عجب ہے کَمَا لَا یَخْفٰی میری تقریر سن کر مولوی عبد الحق صاحب مبہوت سے ہو گئے بالآخر یہی کہتے بنی کہ میں برکت حاصل کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کے اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ میں یعنی کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا برکت نہیں

ہے جو اپنے خود قرار دادہ کافر کے استخوان بوسیدہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے گئے تھے۔ اس پر مولوی صاحب بہت ہی خجل ہوئے۔ اور سر جھکالیا۔ پھر میں نے کہا کہ جناب نے ایک بات یہ بھی تو فرمائی تھی۔ کہ مسیح اگر آئے گا تو دجال کو ہلاک کرنے کے لئے آئے گا دین و شریعت سے اس کو کچھ تعلق نہ ہوگا۔ جناب نے تو صحیح بخاری ضرور دیکھی ہوگی اس میں تو نزول مسیح کی یہ حدیث لکھی ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اب فرمایئے کہ لفظ امام کے کیا معنی ہیں؟ اگر آپ فرمادیں کہ امام کہتے ہیں ایسے بڑے جری پہلوان کو جو دجال جیسے عجیب الخلقت کو ہلاک کر سکے۔ تو فرمایئے آپ کے امام ابو حنیفہ صاحب میں یہ صفت تھی یا نہیں۔ اگر تھی تو ثابت کیجئے ورنہ ان کو آپ لوگ امام کیوں کہتے ہیں اور علاوہ اس کے مسیح سے تو آپ کے خیال میں وہی مسیح اسرائیلی مراد ہیں جو بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے۔ یہ بزرگ رسول تو بہت ہی ضعیف اور کمزور آدمی تھے کہ فقط یہودیوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکے اور تقریباً دو ہزار برس سے آسمان میں پناہ گزین ہیں کہ اس اثناء میں کبھی جرأت نہ ہوئی۔ کہ تھوڑی دیر کے لئے ایک مرتبہ پھر اس زمین پر آویں اور اس وقت تو بحکم آیت کریمہ ومن نعمّرہ ننکّسہ فی الخلق کے کبڑے ہو چکے ہوں گے ایک ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ نہ معلوم کس مصلحت سے دنیا میں بھیجے گا۔ اور فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ مثل مشہور کے خلاف ہوگا آمد اول میں ان سے کیا کارگذاری ایسی ہوئی تھی کہ پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ ان کو بھیجے گا۔ ہاں اگر نزول رستم کی کوئی روایت آپ مجھ کو نکال کر دکھا سکتے تو البتہ میں بہت ہی ممنون ہوتا۔ کیونکہ فردوسی نے شاہنامہ میں اس کی کارگذاری بہت لکھی ہے۔ یہ سن کر مولوی عبدالحق صاحب ہنسنے لگے۔

اور ان کے ساتھ جتنے اور بے وقوف بیٹھے تھے سب کے سب نے ہنسنا شروع کیا۔ اور بات کی تہہ تک ذرا بھی نہ پہنچے۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ مولوی عبدالحق صاحب اپنے خادم کو زور سے پکارنے لگے کہ چائے لاؤ چائے لاؤ۔ مولوی صاحب کو چائے پلاؤ۔ لیکن میں نے چائے نہیں پی۔ اور عذر کیا کہ میرے لئے چائے مضر ہے۔

المختصر اسی پر میری گفتگو مولوی عبدالحق صاحب سے ختم ہوئی اور وہاں سے اٹھ کر ہم اپنی اقامت گاہ میں چلے آئے۔ اور دوسرے دن پنجاب کی طرف روانہ ہو گئے۔

پس اے حق کے طالبو! علمائے دنیادار کا حال دیکھو کہ اپنی عزت و اعتبار قائم رکھنے کے لئے کس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں اور خدا کا خوف بالکل دل میں نہیں لاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مامور و مرسل کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ عوام کو معتقد رکھنے کے لئے حق بات کو بسا اوقات سمجھ کر بھی نہیں سمجھتے۔ اور اس قصور کے سبب اللہ تعالیٰ نے نور معرفت ان سے سلب کر لیا ہے۔ اس لئے اسے شناخت بھی نہیں کر سکتے۔ یہ مولانا شبلی نعمانی اور مفتی عبداللہ ٹونکی اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولانا عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی ہندوستان میں چوٹی کے علماء شمار کئے جاتے تھے جب انہیں کا یہ حال تھا تو انہی پر اوروں کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔ اکثر خاص و عام مسلمان انہی کے انکار سے دھوکا کھا کر سلسلہ حقہ احمدیہ کو قبول نہیں کرتے۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان علماء کے اندر بہت سا علم ہے یہ حضرات کیا غلط کہتے ہیں حالانکہ اندرونہ ان کا خالی ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

الغرض دہلی سے روانہ ہو کر امرتسر پہنچا وہاں مولوی ثناء اللہ صاحب سے

ملاقات کرنی تھی۔ کچھ گفتگو کرنے کے شوق سے نہیں۔ کیونکہ پیشتر سے اس سے خط وکتابت تھی۔ اور اس کی بہت سی تالیفات حضرت صاحب کے خلاف میں منگا کر دیکھ چکا تھا۔ اور اس کا اخبار اہلحدیث بھی کبھی کبھی منگاتا تھا غرض اس کی شرارت کی کیفیت پہلے ہی سے مجھ پر ظاہر ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ملاقات کرنا دو غرض سے تھا ایک تو اس کی صورت شکل دیکھنا تھا دوسرے میر قاسم علی صاحب نے دہلی سے ایک فرمائش یہ کی تھی کہ اگر مولوی ثناء اللہ سے آپ کی ملاقات ہو تو ان سے دریافت فرمایئے گا۔ کہ میرا اشتہار کا جواب کیوں نہیں دیتا۔ بات یہ ہے کہ میر صاحب نے ایک اشتہار چھپوایا تھا۔ کہ اگر مولوی ثناء اللہ اس اشتہار کے مطابق حضرت صاحب کی تکذیب کرے تو پچیس روپے بطور انعام کے میں اس کو دونگا۔ لیکن مولوی ثناء اللہ اس کو قبول نہیں کرتا تھا۔ میں نے جب مولوی ثناء اللہ سے پوچھا کہ آپ تو مکذب مرزا صاحب کے ہیں پھر میر صاحب کے اشتہار کے مطابق کیوں تکذیب نہیں کرتے اور انعام موعود نہیں لیتے اس نے جواب دیا کہ یوں تو میں دن رات تکذیب کرتا رہتا ہوں اس میں مجھے عذر کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس میں پیچ در پیچ لگاتے ہیں اس لئے میں قبول نہیں کرتا۔ مولوی ثناء اللہ پر اس قسم کے مطالبات اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ سلسلہ احمدیہ سے اس قدر واقف ہے کہ ہر احمدی بھی اس قدر واقف نہیں ہے۔ فقط ضد اور دنیا طلبی اور بے ایمانی کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کو قبول نہیں کرتا۔ اس وجہ سے اس پر اس طرح سوال کیا جاتا ہے کہ مباہلہ کے پیچ میں گرے مگر وہ بھی اس قدر شریر ہے کہ اس کو تاڑ جاتا ہے اور مباہلہ کے پیچ میں آنے سے اپنی جان بچا بچا کر چلتا ہے ہمیشہ سے اس کا یہی حال ہے لیکن جب اس سے میری ملاقات ہوئی۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

نہ معلوم اس میں کیا سرّ ہے۔ واللہ اعلم۔

بہر کیف اس نے مجھے کچھ ناشتہ کرانے کی کوشش کی۔ لیکن میں انکار کرتا رہا۔ پھر کہا کہ کچھ فواکہات حاضر کروں اس میں میں نے یہ عذر کیا کہ آخر فواکہات میں سے آپ سیب و ناشپاتی ہی لاویں گے اور اس سے میرا جی بھرا ہوا ہے کیونکہ ریل گاڑی پر بیٹھے بیٹھے اسی کا شغل رکھتا ہوں آخر کچھ دودھ شکر ملا کر لایا تو اس سے کچھ عذر کرنے کی کوئی معقول بات نہ پائی ناچار تھوڑا سا پی لیا۔ اور باقی مولوی امداد علی کو جو میرے ساتھ تھے دے دیا۔

المختصر اسی دن امرتسر سے بٹالہ پہنچا۔ اور سرائے میں اترا۔ دوسرے دن صبح کو مولوی محمد حسین بٹالوی کی ملاقات کو گیا اس کے ساتھ بھی گفتگو کرنے کے شوق سے نہیں گیا کیونکہ اس کے ساتھ بھی پیشتر سے میری خط و کتابت تھی۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جو خط میں نے اس کو لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ مرزا صاحب قادیانی کی شہرت یہاں تک بھی پہنچی ہے مگر ہم لوگ بہت دور رہتے ہیں اور آپ تو ماشاء اللہ عالم بھی ہیں زبردست اور قرب وجوار میں بھی رہتے ہیں اور ہمیشہ مرزا صاحب سے رد و قدح بھی ہوتی رہتی ہے۔ پھر آپ سے زیادہ واقفیت مرزا صاحب کے حال سے اور کس کو ہو سکتی ہے۔

پس اسی قدر خوشامدانہ کلام پر مولوی محمد حسین بالکل اچھل پڑے اور نہایت شد و مد کے ساتھ لکھا کہ میرزا صاحب قادیانی کی تردید جس قدر میں نے کی تھی پنجاب و ہندوستان کے علماء میں سے کسی نے نہیں کی۔ سات برس تک میں یہی کام کرتا رہا۔ چنانچہ سات جلدیں اشاعۃ السنہ کی میرے پاس موجود ہیں اور قیمت ہر ایک کی تین روپیہ ہے اگر کیفیت حال دریافت کرنا منظور ہو تو آپ ان سب کو منگا کر دیکھ سکتے ہیں۔

میں نے جواب الجواب اس طرح لکھا کہ جناب کا عنایت نامہ پہنچا اور خاکسار نہایت محظوظ ہوا۔ لیکن آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ سات برس تک آپ نے مرزا صاحب کے ساتھ ردو قدح کی ہے۔ اس سے مجھ کو بہت ہی تعجب ہوا۔ کیونکہ مرزا صاحب تو کوئی مولانا مولوی نہیں ہیں اور نہ کسی نامی گرامی استاد سے انہوں نے علم حاصل کیا۔ ایک ایسے شخص سے آپ نے سات برس تک نہ معلوم کیا کیا۔ ہم لوگوں کا تو قاعدہ ہے کہ کوئی بے جا سرکشی کرتا ہے تو بس ایک دو رسالے میں اس کو بند کر دیتے ہیں۔ اور وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ پھر اور سر نہیں اٹھا سکتا۔ آپ اتنے بڑے فاضل بے بدل ہو کر مرزا صاحب جیسے شخص سے اس قدر مدت دراز تک کیا کرتے رہے۔ میرے خیال میں یہ بالکل تضیع اوقات معلوم ہوتی ہے آپ لکھتے ہیں کہ سات جلدیں "اشاعۃ السنہ" کی آپ کے پاس موجود ہیں اور قیمت اکیس روپیہ ہے نہ میں اس قدر روپیہ دے سکتا ہوں اور نہ مجھے اس قدر فرصت ہے کہ سات دفتروں کو پڑھوں۔ میں فقط اس قدر چاہتا ہوں کہ آپ بتائیں اس سات برس کے عرصہ میں آپ نے کتنے مسائل میں مرزا صاحب کو شکست دی۔ اگر ان میں سے فقط تین مسئلے بطور نمونہ کے آپ خاکسار کو بتائیں جن میں آپ نے بین طور پر حجت کی راہ سے مرزا صاحب کو مغلوب کیا۔ اور ہزیمت دی ہو تب خاکسار بہت ممنون احسان ہو گا۔ اور اسی سے میں کیفیت حال سمجھ لوں گا اور سات دفتروں کے الٹنے کی حاجت نہ ہو گی۔ میرے اس خط کا جواب مولوی محمد حسین صاحب نے باوجود بار بار تقاضا کے نہ دیا۔ اسی وقت سے میں نے ان کی حقیقت سمجھ لی تھی۔

مولوی محمد حسین کے پاس میرا جانا فقط دو مطلب کے لئے تھا۔ ایک تو یہ مطلب تھا کہ فتویٰ تکفیر جو حضرت صاحب پر انہوں نے لکھا تھا۔ اور بہت سے

تکفیرباز مولویوں کی مہریں اس پر ثبت کرا کرا سے چھپوایا تھا۔ اس کا ایک نسخہ مجھے مطلوب تھا اور دوسرا مطلب یہ تھا کہ حضرت صاحب کی کتاب براہین احمدیہ پر انہوں نے جو ریویو اس وقت لکھا تھا۔ جبکہ وہ حضرت صاحب کے مطیع تھے اس کا بھی ایک نسخہ مجھے مل جائے لیکن مولوی صاحب بٹالوی نے یہ عذر کیا کہ ان دونوں کا فقط ایک ایک نسخہ ان کے پاس ہے زیادہ نہیں ہے اس لئے پڑھ کر پھر واپس کرنا ہوگا۔ اس کے بعد سویاں اور دودھ چینی مجھے اور مولوی امداد علی کو جو میرے ساتھ تھے کھلایا اور کہنے لگے کہ قورمہ پلاؤ پکتا ہے ضرور کھانا کھا کر جائیے گا۔ میں نے کہا۔ کہ جو کچھ آپ نے کھلایا یہی بہت ہے ہمیں قادیان جانا ہے دیر نہیں کرسکتے۔ انہوں نے میرے قادیان نہ جانے کے لئے بہت کچھ حیلہ انگیز باتیں کیں۔ مگر میں نے ایک بھی نہ مانا اور کہا کہ جب اتنی دور آگئے ہیں تو بغیر قادیان دیکھے نہ جائیں گے۔

ایک بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ مرزا جو کچھ کہ تھا اب تو وہ بھی نہ رہا۔ پھر آپ قادیان جا کر کیا کریں گے۔ میں نے کہا کہ جہاں آگ ہوتی ہے آگ کے بجھ جانے پر بھی اس کے آثار باقی رہ جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آگ تھی۔

المختصر بڑی کوشش کے بعد مولوی محمد حسین سے رخصت ہوا۔ اور چلتے وقت اس سے کئی رسالے عاریتاً لے کر آیا اور کہہ دیا کہ ابھی تو میں قادیان جاتا ہوں لوٹتے وقت آپ کی کتابیں انشاء اللہ تعالیٰ دے جاؤں گا۔ وہاں سے اپنی فرودگاہ میں آکر کھانا کھایا۔ پھر قادیان کی طرف روانہ ہوا اور عصر کے وقت وہاں پہنچ گیا۔ عصر کی نماز کے قبل ہی خلیفہ اول حضرت مولٰنا نورالدین صاحب سے ملاقات کی۔ اور دیکھا کہ وہ صحیح بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں۔

پس اس وقت کچھ مختصر سی باتیں ہوئیں اتنے میں عصر کی نماز کے لئے اذان ہوئی۔ اور مسجد مبارک میں نماز عصر پڑھی پھر مہمان خانہ میں جہاں جگہ ملی تھی۔ وہاں اپنے ونیز ہمراہیوں کے لئے بستر وغیرہ ٹھیک کیا۔

الغرض حضرت مولانا نورالدین صاحب سے پندرہ دن تک گفتگو ہوتی رہی۔ مگر اس طرح نہیں جس طرح غیر احمدی مخالف مولویوں سے گفتگو ہوئی تھی۔ بلکہ میں جن شبہات کو نوٹ کر کے لے گیا تھا۔ انہیں باتوں کو پیش کر کے جواب حاصل کیا۔ جس سے مجھے اطمینان کلی حاصل ہو گیا۔ اور قادیان کے باشندوں کے حالات پر میں نے بھی بہت ہی غور و تدبر سے نگاہ کی بالآخر بفضل الٰہی اس سلسلہ کی صداقت پر مجھے شرح صدر حاصل ہو گیا اور پھر کچھ تردد باقی نہ رہا۔ پس مزید توقف میں نے مناسب نہ جانا۔ اور ایک دن بعد نماز جمعہ میں نے مع اپنے ہمراہیوں کے حضرت خلیفہ اول کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور شکر الٰہی بجا لایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (اعراف ع ۵) بعد اس کے جب وطن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تب مجھے خیال ہوا کہ وطن پہنچنے پر تو ضرور سنت اللہ کے مطابق ہماری سخت مخالفت ہوگی۔ اور میری دو نوکریاں ہیں ایک تو برہمن بڑیہ کے ہائی سکول کے ہیڈ مولوی کا عہدہ۔ دوسری قضا یعنی میرج رجسٹراری کا عہدہ یہ دو نوکریاں گویا میرے دو پاؤں ہیں اور کٹے جو آدمی کو کاٹتے ہیں تو اکثر دونوں پاؤں میں سے کسی میں کاٹتے ہیں۔ پس مخالفین جو مجھ کو ضرر پہنچاویں گے۔ تو انہی دونوں نوکریوں کے ذریعہ کیونکہ اسی میں زیادہ تر ان کا قابو ہے۔ پس بہتر ہے کہ مقام برہمن بڑیہ میں داخل ہونے کے قبل ہی میں ان دونوں نوکریوں کو چھوڑ دوں تاکہ مخالفین مجھ پر قابو نہ پائیں۔ یہ تجویز میں نے حضرت خلیفہ اول کے سامنے پیش کی۔ آپ نے اس

کو پسند نہ کیا اور فرمایا۔ کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہریک انسان کے رزق کے لئے ایک نہ ایک صورت لگا دی ہے۔ اگر اپنے ہاتھ سے اس کو توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض ہوگا۔ اور اپنے رزق کی صورت خود آپ کو کرنی پڑے گی۔ اور آپ تکلیف میں پڑیں گے۔ ہاں اگر نوکریاں آپ کی از خود چلی جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ دوسری صورت پیدا کر دے گا۔ کما قیل۔ بیت

خدا گر بحکمت ببندد درے
کشاید بفضل و کرم دیگرے

الغرض حضرت مولوی صاحب کے فرمانے کے مطابق میں نے اپنی نوکریوں کو نہ چھوڑا اور یونہی حضرت مولانا نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح سے رخصت ہو کر قادیان سے بٹالہ کے سٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ یکہ میں بہت تکان ہوتی ہے اس لئے ایک ٹم ٹم کرایہ کر کے چلا تھا اور ٹم ٹم والے سے کہدیا تھا کہ جب مولوی محمد حسین کے مکان کے قریب پہنچے تو ضرور مجھے مطلع کرے جب ہم بٹالہ پہنچے اور کچھ دور آگئے تو گاڑی والے نے کہا کہ آپ لوگ جس مولوی صاحب کا مکان تلاش کرتے ہیں ان کا مکان یہی ہے۔ تب میں نے ٹم ٹم کھڑا کرایا اور مولوی محمد حسین کے سارے رسالے اپنے ہمراہی امداد علی کو دے کر کہا کہ ان کو واپس دے کر جلد چلے آویں۔ ہم لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ اگر مولوی محمد حسین میری بابت پوچھے تو کہدینا کہ وہ سٹیشن پر چلے گئے ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ قادیان میں ان کو بخار ہو گیا تھا۔ مولوی امداد علی نے وہاں جا کر دیکھا کہ مولوی محمد حسین مسجد میں نماز ظہر پڑھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر توقف کرنے پر جب انہوں نے نماز ختم کی۔ تب مولوی امداد علی نے کتابیں ان کے

حوالہ کیں اور واپس آنا چاہا۔ مگر وہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور قادیان کی کچھ باتیں پوچھنے لگے۔ اول تو یہ پوچھا کہ مولوی صاحب کہاں ہیں۔ جس کا مولوی امداد علی نے وہی جواب دیا جو میں نے کہہ دیا تھا۔ پھر پوچھا کہ آپ سب احمدی ہوئے یا محمدی رہے۔ انہوں نے صاف کہدیا کہ احمدی ہو گئے ہیں دعا کیجئے گا۔ یہ کہہ کر مولوی امداد علی بہ عجلت تمام چلے آئے۔ اور ہمارے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ہم اسٹیشن بٹالہ پہنچے۔ اور ظہر کی نماز ادا کی۔ اتنے میں ایک احمدی بھائی نے کہا کہ عصر کی نماز گاڑی پر پڑھنی مشکل ہوگی۔ بہتر ہے کہ ظہر کے ساتھ عصر کی نماز جمع کرلی جاوے۔ لہٰذا ہم سب احمدیوں نے جو وہاں جمع ہو گئے تھے عصر کی نماز بھی پڑھ لی۔ نماز ادا کر لینے کے بعد اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی دو میل کا فاصلہ پاپیادہ طے کر کے آیا اور السلام علیکم کہہ کر مجھ سے کہنے لگا واہ مولوی صاحب! آپ مجھ سے ملاقات تک نہ کر کے آئے۔ میں نے اس کا وہی جواب دیا جو مولوی امداد علی نے دیا تھا۔ کیونکہ فی الواقع میری طبیعت اس دن ایسی خراب تھی کہ بات کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ پھر مولوی محمد حسین مجھ سے پوچھنے لگا۔ کہ قادیان میں آپ نے کیا دیکھا۔ میں نے کہا کہ قادیان کوئی نمائش گاہ یا تماشا کی جگہ تو ہے نہیں۔ ہاں بہت دنوں سے میں اس سلسلہ کے متعلق غور کر رہا تھا قادیان جا کر پندرہ دن تک رہنے اور جناب مولوی نورالدین صاحب سے بات چیت کرنے سے میرے جو شبہات تھے وہ سب دور ہو گئے اور شرح صدر حاصل ہو گیا۔ پس میں نے بیعت کر لی ہے میرے اتنا کہنے پر مولوی محمد حسین نے اپنی جیب سے ایک قلمی فتویٰ نکالا اور پڑھ کر مجھے سنانے لگا۔ ہر چند میں نے منع کیا کہ میں اسے سننا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے بھی فتویٰ بہت لکھنا آتا

ہے۔ یہ موم کی ناک ہوتی ہے لکھنے والا جدھر پھیرنا چاہتا ہے ادھر ہی پھرتی ہے
اس پر بھی وہ نہ رکا۔ اس فتویٰ کے عنوان پر یہ سوال لکھا ہوا تھا کہ مرزا قادیانی
اور اس کے اتباع مسلمان ہیں یا کافر۔ یہ سنکر مجھے بھی کچھ غیظ آگیا۔ اور میں اس
سے کہنے لگا۔ کہ سنئے تو سہی۔ آپ نے تو مرزا صاحب کے خلاف ابتداء ہی سے
لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اس فتویٰ نویسی کا نتیجہ کیا ہوا۔ یہی کہ آپ فتوے لکھتے
لکھتے نیچے کی طرف جا رہے ہیں اور مرزا صاحب بلندی کی طرف صعود کر رہے
ہیں۔ پھر بھی آپ کا فتویٰ لکھنے کا شوق کم نہیں ہوتا۔ کیا یہ فتویٰ آپ نے لکھا
ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے نہیں لکھا۔ بلکہ دیوبند کے کسی مدرس نے
لکھا ہے جب میں نے اس مدرس کا نام پوچھا تو نام نہ بتایا پھر میں نے کہا کہ
دیوبندیوں اور وہابیوں کے خلاف عرب و عجم سے آئے ہوئے مطبوعہ فتاویٰ
بکثرت میرے پاس موجود ہیں۔ آپ ان سب کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اور کس
بے غیرتی سے آپ مرزا صاحب کے خلاف فتویٰ لکھتے ہیں آپ کو شرم نہیں
آتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ نذیر حسین وہابی اور اس کے اتباع مسلمان ہیں یا کافر۔
تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ تب مبہوت سا ہو رہا۔ اس وقت میں نے کہا
آپ ذرا خیال تو کریں کہ آپ کیا سے کیا ہو گئے؟ اتنے میں شملہ کے ایک معزز
احمدی جو وہاں موجود تھے مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ جناب مولوی صاحب
یہ بٹالوی صاحب اگلے دنوں جب شملہ جاتے تو اسٹیشن پر لوگ استقبال کے لئے
جاتے تھے۔ مگر اس دن کی بات ہے کہ جب یہ ہمارے شہر میں پھر گئے تو کسی نے
آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا یہاں تک کہ بیٹھنے کی جگہ بھی نہ دی۔ آخر
اپنا پائجامہ ایک جگہ بچھا کر بیٹھ گئے۔

الحتصر ان سب باتوں سے مولوی محمد حسین کو بھی کچھ غیظ آگیا اور غصہ ہو کر

کہنے لگا کہ میں نے "اشاعۃ السنہ" کی تین جلدیں جو آپ کو دی تھیں وہ واپس کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو وہ جلدیں مجھے ہبہ کر دی ہیں۔ مولوی بٹالوی نے کہا۔ کہ میں آپ کو ایسا نہ سمجھتا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ تو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَلرَّاجِعُ فِیْ هِبَتِهٖ كَالرَّاجِعِ فِیْ قَیْئِهٖ۔ پس جب تک آپ صحیح حدیثوں سے ہبہ سے رجوع کرنے کا جواز ثابت نہ کریں گے میں ہرگز کتابیں واپس نہ دوں گا۔ اتنے میں گاڑی آگئی اور ہم سب عجلت کے ساتھ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ اور مولوی محمد حسین اپنے مکان کی طرف سدھارے۔ فی الواقع وہ موقع بھی ایسا نہ تھا کہ "اشاعۃ السنہ" کی وہ جلدیں اس وقت انہیں واپس کی جاتیں کیونکہ اسباب ہمارے بالکل بندھے ہوئے تھے۔ اور ریل گاڑی کی آمد آمد تھی۔ ایسے وقت میں اسباب کا کھولنا اور کتابیں نکالنا مشکل تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو میں ضرور کتابیں واپس کر دیتا۔

الغرض بٹالہ سے روانہ ہو کر لاہور پہنچا وہاں احمدیہ بلڈنگس میں جا اترا میرزا یعقوب بیگ اور ڈاکٹر محمد حسین شاہ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بڑی خاطر تواضع کی۔ اور نہایت پر تکلف کھانے کھلائے وہ زمانہ خلیفہ اول کا تھا اور میرے قادیان میں قیام کے زمانہ میں یہ لوگ ایک مرتبہ قادیان بھی گئے تھے اور وہیں ان سے روشناسی ہوئی تھی اس وقت یہ لوگ غیر مبائع اور علیحدہ فریق نہ تھے۔ دوسرے دن خبر پاتے ہی جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی بھی آگئے۔ ان کی ملاقات سے بہت ہی فرحت و خرمی حاصل ہوئی۔ کیونکہ آدمی بہت ہی عمدہ ہیں اور انہی کے ذریعہ اولاً مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خبر پہنچی تھی۔ جیسا کہ اوائل رسالہ میں اس کا ذکر آچکا ہے میرے لاہور قیام تک

حکیم صاحب اکثر میرے ساتھ رہے۔ اور جب میرے پاس آتے۔ تو کچھ نہ کچھ ناشتہ بقسم مٹھائی اپنے ساتھ لاتے۔ اور ایک دن پر تکلف دعوت بھی کی۔ شہر لاہور کی سیر بھی کرائی اور تماشے دکھائے۔ بالآخر لاہور سے روانہ ہو کر ہم کلکتہ واپس پہنچے چونکہ کلکتہ پہنچنے کے بعد مجھے بخار آگیا تھا۔ اس لئے کئی دن وہاں ٹھہرنا پڑا بعد افاقہ کے کلکتہ سے روانہ ہو کر اپنے وطن برہمن بڑیہ پہنچا۔ اور سنت اللہ کے مطابق اہل وطن مریدین و معتقدین میں مخالفت شروع ہوئی جس جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی وہ بیعت کر کے سلسلہ حقہ میں داخل ہوا۔ جس سے تقریباً ہزار آدمی یہاں احمدی ہو گئے۔ رہا مخالفین کی مخالفت اس کی تفصیل بہت ہی طویل ہے۔ جس کے لئے علیحدہ رسالہ کی ضرورت ہے۔ هٰذَا مَا اَرَدْنَا اِيْرَادَهٗ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ وَعَلَى اللّٰهِ التَّوَكُّلُ وَبِهِ الْاِعْتِصَامُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْاَنَامِ وَاٰلِهِ الْعِظَامِ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَامِ۔

دو خطوط واجب الاشاعت

برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس رسالہ جذبۃ الحق کے کچھ صفحے چھپ جانے کے بعد اس کے مصنف میرے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد عبدالواحد صاحب بتاریخ ۴۔ ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ جمعرات کی شام کو ۹ بجکر ۲۳ منٹ پر ۷۳ برس کی عمر میں دار فانی سے سرائے جاودانی کی طرف رحلت کر کے اپنے مولا سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ والد مرحوم کی وفات کے بعد اس رسالہ کا بقیہ حصہ چھپنے لگا۔ تب میں نے مناسب سمجھا کہ اس رسالہ کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دو خطوط جو

حضور علیہ السلام نے میرے والد مرحوم کو لکھے تھے۔ اور وہ ابتک محفوظ تھے۔ شائع کر دیئے جائیں۔ تاکہ حضور کے الفاظ بھی محفوظ ہو جائیں۔ اور جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی کا (جن کے ذریعہ والد مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی خبر سب سے پہلے ملی تھی) وہ آخری محبت نامہ[1] بھی چھپ جائے جو حضرت والد مرحوم کی وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل آیا۔ اور ناظرین سے درخواست ہے کہ میرے والد مرحوم کے لئے دعاء مغفرت فرما کر مشکور فرمادیں۔ زیادہ کیا تحریر کروں۔ والسلام

خاکسار سید سعید احمد احمدی مینیجر بنگال احمدیہ ایسوسی ایشن
مقام برہمن بڑیہ ضلع ٹپرا بنگال

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو خط
بنام
مولانا سید محمد عبدالواحد صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ

محبیّ اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ اس وقت میں نہایت قلیل الفرصت ہوں۔ مگر میں نے ارادہ کیا ہے کہ آپ کے شبہات کا جواب اپنے ایک رسالہ میں جو میں نے لکھنا شروع کیا ہے[2]، لکھدوں یہ رسالہ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو نومبر ۱۹۰۵ء تک ختم ہو جائے گا۔ اور چھپ جائے گا۔ یہ آپ کے ذمہ ہو گا کہ آپ نومبر کے آخیر

---

[1] مطبوعہ کتاب میں جناب حکیم محمد حسین قریشی صاحب کا مذکورہ خط شامل نہیں تھا اس لئے اس بار بھی شائع نہیں کیا جا رہا (ناشر)

[2] روحانی خزائن جلد 21- ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 336 تا 375

میں یا دسمبر ۱۹۰۵ء کے ابتداء میں مجھے اطلاع دیں۔ تو میں رسالہ آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ رسالہ کے دیکھنے سے علاوہ آپ کے شبہات کے ازالہ کے اور بھی کئی قسم سے آپ کی واقفیت بڑھے گی۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ معمولی اعتراضات ہیں جن کا متفرق کتابوں میں بار بار جواب دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ تحریر سے سعادت اور حق طلبی مترشح ہو رہی ہے اس لئے محض آپ کے فائدہ کے لئے یہ تکلیف اپنے پر گوارا کرلوں گا۔ آپ کے فہم اور مذاق کے مطابق جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا لکھ دوں گا۔ آئندہ ہر ایک امر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مجھے امید تھی کہ یہ باتیں ایسی سہل اور راہ پر پڑی ہیں کہ آپ تھوڑی سے توجہ سے خود ہی ان کو حل کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی مصلحت الٰہی ہوگی کہ مجھ سے آپ نے جواب مانگا۔ زیادہ خیریت ہے۔

والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ

قادیان۔ گورداسپور پنجاب

خط نمبر دو

مجی اخویم سید محمد عبدالواحد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ دو تین ہفتہ سے پھر بیمار ہوں۔ اس لئے کام چھپوائی کتاب کا ابھی شروع نہیں کر سکا۔ آپ کے نئے اعتراض بھی میری نظر سے گذرے۔ خدا تعالیٰ کو آپ کو تسلی بخشے آمین۔ میں اگر ان اعتراضات کا جواب لکھوں تو طول بہت ہو جائے گا۔ اور میں اپنی متفرق کتابوں میں ان کا جواب دے چکا ہوں میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ جس طرح ہو سکے آپ ایک ماہ کی رخصت لے کر اس جگہ آجائیں۔ آمد و رفت کا تمام کرایہ میرے ذمہ ہو گا۔ اس صورت میں ایک ماہ کے عرصہ میں آپ پوری تسلی سے سب کچھ دریافت کرسکتے ہیں اور انشراح صدر خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اپنی طرف سے ہر ایک بات سمجھا دی جاوے گی۔ اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو مقام افسوس نہ ہو گا۔ اور اس صورت میں آپ اس تمام کتاب کو جس میں آپ کے اعتراضات کا جواب ہے قبل از اشاعت دیکھ سکتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ نہایت عمدہ طریق ہے۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ مجھے خرچ آمد و رفت بھیجنے کی

کچھ تکلیف ہوگی۔ کیونکہ آپ کی تحریر میں رشد اور سعادت کی بو آتی ہے اور آپ جیسے رشید کے لئے کچھ مال خرچ کرنا موجب ثواب اور اجر آخرت ہے۔ جواب سے ضرور مطلع فرماویں۔

والسلام

راقم میرزا غلام احمد عفی عنہ

۲۴-جنوری ۱۹۰۶ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
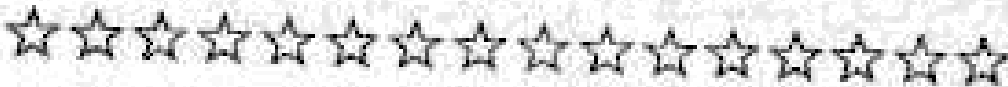
حضرت مؤلف مرحوم کا یہ تبلیغی سفرنامہ خاکسار نے طالبان حق کے لئے دوسری بار چالیس سال بعد شائع کیا ہے اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ وہ اسے طالبان حق کے لئے بابرکت بنائے آمین۔

خاکسار

حکیم عبداللطیف شاہد تاجر کتب

۱۴- مین بازار گوالمنڈی لاہور

۲۰- دسمبر ۱۹۶۶ء